دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۹ | محرم الحرام ۱۴۴۷ھ مطابق جولائی ۲۰۲۵ء | شمارہ: ۷

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 109, Issue No. 7, July 2025 जुलाई 2025
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 50/= | Annual Subscription Rs. 500/=

Annual by Regd Post. Rs. 700/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۵۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	محمد سلمان بجنوری	۳
یوم عاشورا، اور اس کے اعمال	ترتیب: مولانا محمد یامین قاسمی	۵
وقف شریعت کی روشنی میں	مولانا ندیم احمد انصاری	۱۲
قوموں کے تعلق سے قدرت کے قانون تغیر کی تشریح	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۲۰
ولادت نبوی ﷺ کے وقت روم کی مذہبی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی حیثیت	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۳۱
مصنوعی ذہانت بطور مصنف؟	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۴۱

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/700 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

محمد سلمان بجنوری

اسرائیل ایران جنگ شروع ہوکر ختم ہوگئی؛ مگر غزہ کا قتل عام جاری ہے، بلا شبہ اس جنگ میں قصور وار اسرائیل تھا، جس کے جارحانہ حملوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی تھی، ایران نے اس کے جواب میں اپنی مضبوط طاقت کا ثبوت دیا اور اس کو اپنے موقف میں عالمی حمایت بھی حاصل ہوئی، روس اور چین جیسی عالمی طاقتوں کے علاوہ، امریکہ نواز مسلم ممالک بھی ایران کی حمایت میں کھڑے نظر آئے، جس کی وجہ سے ایران کو اخلاقی برتری بھی حاصل ہوئی اور امریکہ واسرائیل جنگ بندی پر مجبور ہوئے۔

اس جنگ کے مضمرات اور عالم اسلام کی سیاست پر اس کے اثرات کا تجزیہ شروع ہوگیا ہے اور ہوتا رہے گا؛ لیکن ہمارے ذہن میں ایک مختصر سوال ہے جس کے جواب میں چھپی ہوئی سنگین حقیقت پر توجہ مبذول کرانا مقصود ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو عالمی طاقتیں یا مسلم ممالک اس وقت ایران کی حمایت میں کھل کر سامنے آئے کیا ان کو غزہ اور فلسطین نظر نہیں آتا، غزہ جو عالمی تاریخ کا سب سے بڑا قبرستان بن رہا ہے، جہاں کی تین چوتھائی زمین پر اسرائیل قبضہ کر چکا ہے اور ہر دن ظلم وستم کے نئے ریکارڈ قائم کرتا جارہا ہے، اس کے لیے ان ممالک میں ہمدردی یا حمایت کا فقدان کیوں ہے؟

باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اس سوال کا جواب فقط یہ ہے کہ غزہ کی قیادت حماس کے ہاتھ میں ہے اور غزہ کے باشندے حماس اور اس کی حمایت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہیں اور حماس، امریکی درجہ بندی کے اعتبار سے دہشت گرد تنظیم ہے؛ لہٰذا کسی بھی مسلم ملک کے لیے اس کی حمایت ناجائز ہوگئی ہے اور اس کی وجہ سے اسرائیل کا ہر ظلم وستم جائز ہوگیا ہے۔

ہم اسی نکتہ پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ آج کی صورت حال میں کسی بھی تنظیم، ادارہ یا فرد کے بارے میں عالمی طاقتوں اور ان کے نمائندوں کی جانب سے دہشت گرد ہونے کا پروپیگنڈہ ہی سب

سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ اس کو اس کے تمام قانونی اور انسانی حقوق اور اخلاقی حمایت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور یہ رویہ نائن الیون کے بعد سے دنیا کے متعدد ممالک میں ہر سطح پر سامنے آچکا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارا وطن عزیز بھی اسی زمانے سے اس روش پر کسی نہ کسی درجہ میں چلتا نظر آرہا ہے، یہاں بھی سرگرم طاقتوں نے مسلمانوں کو شدت پسند اور دہشت گرد ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور اس کے لیے مدارس اور ان سے وابستہ علماء اور مذہبی طبقہ کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے۔آج کل سننے میں آرہا ہے کہ کوئی فلم بنائی گئی ہے جس میں اس مذموم مقصد کو پورا کرنے کے لیے بہت سی فرضی اور جھوٹی کہانیاں پیش کی گئی ہیں اور اس میں تمام مسلمانوں کو اور خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے سب سے بڑے مذہبی مرکز دارالعلوم دیوبند اور اس کی شخصیات کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔

اس پوری صورت حال کا شدید تقاضا ہے کہ تمام مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں اور ہم اپنے ملک میں خاص طور پر اس جھوٹے پروپیگنڈے کی تردید کے لیے مضبوطی سے قدم اٹھائیں اور اس کے لیے تمام وسائل استعمال کریں، صرف اس بات پر تکیہ کر کے نہ بیٹھے رہیں کہ ہم تو اس طرح کے الزامات سے بالکل بری ہیں اور ہمارا کردار بالکل صاف ہے، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے؛ لیکن پروپیگنڈہ آج کل، اسباب کی دنیا میں بڑی طاقت رکھتا ہے؛ اس لیے اس سلسلے میں سنجیدہ غور وفکر کر کے قدم اٹھانا نہایت ضروری ہے؛ تاکہ حالات قابو سے باہر نہ ہو جائیں اور منفی طاقتوں کو اپنا ایجنڈا پورا کرنے کا موقع نہ مل جائے۔

✻ ✻ ✻

یوم عاشوراء اوراس کے اعمال

افادات: امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ

ترتیب: مولانا محمد یامین قاسمی
مبلغ دارالعلوم دیوبند

''عاشوراء'' محرم کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں، یہ دن اسلام سے پہلے بھی معظم ومحترم تھا، یہود ونصاریٰ بھی اس کی عظمت کرتے تھے اور کفار قریش بھی اس کو مانتے تھے، اسلام نے بھی اس کی عظمتِ سابقہ کو قائم رکھا؛ بلکہ کچھ اور زیادہ کردیا۔

اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ میں اس دن کی عظمت اس وجہ سے تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے طفیل میں تمام بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجۂ ظلم سے ہمیشہ ہمیش کے لیے رہائی عطا فرمائی تھی اور فرعون اور آلِ فرعون کو دریا میں غرق کردیا تھا، یہ مضمون صحیح بخاری وصحیح مسلم وسُنن اَبی داوٗد میں ہے۔

کفارِ قریش اِس دن کی عظمت اس وجہ سے مانتے تھے کہ ''غلاف کعبہ'' جس دن تیار ہوا اور پہنایا گیا تو وہ یہی مبارک دن تھا، یہ مضمون بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔

مذکورہ بالا اسبابِ عظمت کے علاوہ دیگر اسباب بھی روایتوں میں وارِد ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت آدمؑ کی توبہ اِس دن قبول ہوئی تھی اور حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر اِسی دن لگی تھی اور حضرت یونسؑ کی توبہ اِسی دن قبول ہوئی تھی، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت مسیح ابن مریمؑ اِسی دن پیدا ہوئے تھے؛ مگر اِن مضامین کی روایتیں اِس درجہ صحت کو نہیں پہنچیں؛ بلکہ بعض مشکوک ہیں حتیٰ کہ اکابر محدثین کی ایک جماعت نے اِن کی صحت سے قطعی انکار کیا ہے (واللہ اعلم)۔

اسلام سے پہلے اِس دن کے ساتھ کیا عظمت کا برتاؤ کیا جاتا تھا؟ اُس کی کیفیت یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ ونیز کفارِ قریش اِس دن کو عید کا دن سمجھتے تھے اور اِس میں اپنی ہر امکانی زینت وآرائش سے

اپنے کو آراستہ کرتے تھے اور اِس دن روزہ رکھتے تھے خاص کر یہود کو اِس دن کے روزہ کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔

اسلام نے اِس دن کے ساتھ کیا عظمت کا برتاؤ تجویز کیا؟ اِس کو معلوم کرنے سے پہلے ایک سرسری نظر اس عمل پر ڈالنا چاہیے کہ اسلام نے اگر زمانہ کے کسی جز کو خواہ دن ہو یا رات؛ اگر معظم ومحترم قرار دیا ہے تو اُس کے ساتھ کس برتاؤ کا حکم دیا ہے؟ تتبُّع سے ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ اسلام نے کسی دن کی عظمت کے اظہار کا طریقہ عبادتِ الٰہی سے خالی نہیں رکھا، عیدین کے دنوں میں اگر زینت وتجمل کا حکم دیا ہے تو نماز بھی واجب کردی ہے، قربانی بھی لازم قرار دی ہے، جمعہ کا دن ہے، اس میں بھی غسل وتزئین کے ساتھ ایک خاص نماز بھی فرض فرمائی ہے ''لیلۃ القدر'' میں بھی اِسی کی رعایت ملحوظ ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی میں عبادت کے ساتھ زینت کی بھی تائید فرمائی ہے۔

اِس تمہید کے بعد اب دیکھیے کہ یومِ عاشوراء کی عظمت کے اظہار کے لیے حضرت نبی کریم علیہ السلام نے کیا طریقہ مقرر فرمایا اور کن اعمال کا حکم دیا۔

واضح رہے کہ شریعتِ قادِسہ نے اس دن کے لیے دو اعمال تجویز کیے ہیں: اول روزہ، دوم ''توسعۃ علی العیال'' اِن دو اعمال کے سِوا اور اعمال کا ذکر جن روایتوں میں ہے، اُن روایتوں کے سلسلہ میں اکابر محدثین نے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے، نہ کوئی خاص نماز اس دن کے لیے صحت کو پہنچی ہے اور نہ اِس دن زینت کا حکم کسی صحیح حدیث میں دیا گیا ہے۔

اِن دو اعمال کے سِوا دیگر اعمال کا اِرتکاب جو لوگ اِس دن میں کرتے ہیں، وہ شریعتِ اسلامیہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں یا انھوں نے شارع اسلام کے علاوہ اور کسی کو اپنا شارع بنالیا ہے۔ وما ذا بعد الحق إلا الضلال۔

(۱) روزہ: اس کا حکم جن روایتوں میں ہے، وہ صحت کے اعلیٰ درجہ میں ہے، روزہ اِس دن کا پہلے فرض تھا؛ مگر فرضیت رمضان کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، سنت اب بھی ہے اور بڑے بڑے فضائل اس روزہ کے صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جامع ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''صِيَامُ يَومِ عَاشُوراءَ إني أَحْتَسِبُ عَلى اللّٰهِ أن يُّكَفِّر السَّيِّئَةَ الَّتِي قَبلَه'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشوراء کے روزہ کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ سالِ گذشتہ کے گناہوں کا کفارہ بن جائے، محدثین نے لکھا ہے کہ صغیرہ گناہوں کے لیے کفارہ بن جانا تو متیقن ہے اور کبیرہ کے لیے بھی امید رکھنی چاہیے۔

چونکہ یہ روزہ یہود میں رائج تھا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا، یہی حنفیہ کا مذہب ہے کہ یہود کی مُشابہت سے بچنے کے لیے جو شخص عاشوراء کے دن کے روزہ کا ارادہ کرے، اُس کو چاہیے کہ ایک روز قبل یا ایک روز بعد بھی روزہ رکھ لے؛ لیکن ایک دن قبل افضل ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے صحیحین میں مَروی ہے کہ وہ عاشوراء کا روزہ نہ رکھتے تھے ایک شخص نے اُن سے پوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ رمضان کی فرضیت سے پہلے یہ روزہ تھا، پھر متروک ہوگیا؛ لیکن متروک ہوجانے سے حضرت ابن مسعودؓ کی مراد نسخِ فرضیت کی ہے یا ان کی عدمِ واقفیت پر محمول ہے۔

(۲) توسعة علی العیال: یعنی اسی دن اپنے متعلقین کے کھانے پینے میں وُسعت کرنا معمول سے زائد کچھ چیزیں کھانے پینے کی مہیا کردینا، اس کی فضیلت جن احادیث میں آئی ہے، ان کے سلسلہ میں محدثین کا اختلاف ہے، بعض ''موضوع'' کہتے ہیں، بعض ''حسن''؛ ابن حبان وغیرہ حسن کہنے والے ہیں اور ابن جوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہم موضوع کہنے والوں میں ہیں؛ مگر تحقیق یہ ہے کہ ان روایات کا رُتبہ ''حسن لغیرہٖ'' سے کم نہیں ہے اور حسن لغیرہ حجت ہے، جیسا کہ اُصول حدیث میں ثابت ہے۔

تَوسِعَة عَلیٰ العِیَال: کی فضیلت میں سنن بیہقی کے الفاظ یہ ہیں "مَنْ وَسَّعَ عَلیٰ عِیَالِهٖ وَأهْلِهٖ یَوْمَ عاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ سَائِرَ سَنَةٍ" یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عاشوراء کے دن اپنے متعلقین اور بال بچوں کے کھانے میں وسعت کرے، اللہ اُس پر تمام سال وسعت رکھے گا۔

اِن دو اعمال کے علاوہ چوں کہ اِس تاریخ میں نواسۂ رسول، فرزندِ بتول حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی اور ان کے اہلِ بیت کرام کی شہادت کا واقعۂ ہائلہ بھی پیش آیا ہے؛ لہٰذا جب یہ تاریخ آتی ہے تو اس واقعہ کو یاد دلاتی ہے اور حدیث شریف میں وارِد ہوا ہے کہ جب انسان کو اپنی کوئی مصیبت یاد آئے خواہ وہ کتنی ہی پُرانی کیوں نہ ہوگئی ہو تو اُس کو چاہیے کہ "إنَّا لِلّٰهِ وَإنَّا إلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" کی تلاوت کرے؛ لہٰذا ایک تیسرا عمل اِس دن کے لیے اور ثابت ہوگیا، یعنی حضرت حسینؓ اور ان کے اہلِ بیت کی شہادت کی یاد کے وقت اِس کلمہ کو پڑھنا۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ ابلیس لعین انسان کا کھلّم کھلاّ دشمن ہے، ہمیشہ وہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ان کی ہدایت جاری نہ ہونے پائے؛ چنانچہ اپنے اس مقصد کو وہ دغاباز طرح طرح کے مکروفریب سے حاصل کررہا ہے، بہت سے لوگ ہیں جو اپنے کو انبیاء علیہم السلام

کا پیرو گمان کرتے ہیں؛ مگر حقیقت میں ابلیس کے فریب میں گرفتار ہیں اور جس چیز کو وہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ سمجھتے ہیں، وہ دراصل اِسی دشمن کا بنایا ہوا طلسم ہے، ایسے لوگ فی الواقع ”هم يحسبون أنهم يحسنون صنعا“ کے مصداق ہیں۔

یہ دشمن اس طرح ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ ہمارے مالک کی دی ہوئی نعمتوں میں سے جو مال عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی تھے، ان ہی کو اس نے خراب کر دیا اس معاملہ سے اور بھی قیاس کیا جا سکتا ہے دیکھیے ''یوم عاشوراء'' کیسا متبرک دن تھا؟ اور اس کے لیے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے کن اعمال کی ہم کو تعلیم دی تھی کہ اگر ہم اُن تعلیمات پر عمل کرتے تو ہم کو اس دن کی برکات وخیرات سے بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا؛ مگر اس رہ زن نے وہ تعلیمات ہم سے چھین لیں اور بجائے ان بیش بہا جواہرات کے کچھ خاردار سنگ ریزے ہمیں دیدیے اور ہم اپنی سادہ لوحی سے ان ہی سنگ ریزوں کو جواہر سمجھ بیٹھے؛ نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہ دن ہمارے حق میں بجائے ''نعمت'' کے ''نقمت'' بن گیا اور اس میں بجائے ثواب کے ہم عذاب کمانے لگے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔

ان تمام غیر شرعی اعمال کی تفصیل کا تو یہ موقع نہیں ہے؛ البتہ نمونہ کے طور پر چند باتوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔ تعزیہ رکھنا، یا بنانا، یا اس کو سیدنا حسینؓ کی قبر کی شبیہ یا ''واقعۂ کربلا'' کی یادگار سمجھ کر قابلِ زیارت یا لائقِ تعظیم خیال کرنا، عَلَم وغیرہ رکھنا، مصنوعی کربلا میں جانا، اور جو خرافات وہاں ہوتی ہیں، ان کا ارتکاب کرنا یا ان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا، اپنی معمولی زینت کو بہ نیتِ ماتم ترک کرنا، عورتوں کا زیور اتار دینا، یا پان کھانا چھوڑ دینا، ذکرِ شہادت کے وقت سینہ کوبی کرنا، حضرات حسنینؓ اور حضرت علیؓ کا نام لے کر رونا، جس کو ''نوحہ'' کہتے ہیں، اُن مرثیوں کا پڑھنا یا سننا جن میں علاوہ جھوٹ کے بزرگانِ دین کی توہین بھی ہوتی ہو؛ یہ سب ابلیس کی تعلیم نہیں تو اور کیا ہے؟۔

یہ کتنی بڑی حرماں نصیبی اور بدقسمتی کی بات ہے کہ جو اعمال اس متبرک دن کے لیے تعلیم کیے گئے تھے، اگر ہم ان پر عمل بھی کرتے ہیں تو اس میں اپنی فاسد نیت شامل کر کے اس کی صورت بگاڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عمل بالکل مسخ ہو جاتا ہے، مثلاً روزہ رکھتے ہیں اور اس کا نام فاقہ رکھتے ہیں اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ خود کو ''شہدائے کربلا'' کے مشابہ بنائیں اور بعض حضرات تو دن ہی میں روزہ اس لیے توڑ ڈالتے ہیں؛ تاکہ افطار کا اطلاق نہ ہونے پائے؛ بلکہ ''شہدائے کربلا'' کی یاد میں فاقہ کشی کہلائے۔

ان لوگوں کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں جو بظاہر خرافاتِ مذکورہ سے تو بالکل پاک ہیں وہ نہ

تعزیہ رکھتے ہیں، نہ عَلَم رکھتے ہیں، نہ دُلدُل نکالتے ہیں، نہ تابوت، نہ ترکِ زینت کرتے ہیں نہ سینہ کوبی؛ مگر یہ ضرور کرتے ہیں کہ ''ذکرِ شہادت'' کے لیے محافل ومجالس کا انعقاد کرتے ہیں اور زبانی یا کسی کتاب سے واقعات شہادت بیان کرتے ہیں۔

کاش یہ حضرات ان محافل ومجالس کو ان آداب وقواعد کا پابند رکھتے جن کے بغیر بدعات ومحرمات سے اجتناب ناممکن ہے تو کچھ مضائقہ نہ ہوتا؛ بلکہ یہ محافل ومجالس ان کے لیے ذکرِ الٰہی کے حلقوں کی طرح ہزاروں برکات وخیرات کا موجب ہوتیں، واضح رہے کہ ان مجالس ومحافل کے کچھ آداب بھی ہیں، جن کی رعایت بہرصورت ضروری ہے، مثلاً یہ کہ اسراف وغیرہ سے ان محفلوں کو پاک رکھا جائے، ضرورت سے زائد روشنی وسجاوٹ سے پرہیز کیا جائے، واقعات وہی بیان کیے جائیں جو صحیح یا کم از کم حسن روایتوں سے ثابت ہوں، کوئی ایسا مضمون نہ بیان کیا جائے جس سے کسی صحابی کی طرف سے سوءِ ظنی پیدا ہو، ایسی کوئی بات نہ ہو کہ جس سے عوام کو یہ خیال پیدا ہو کہ یہ شہادت اس امت میں تمام شہادتوں سے اشرف واعلیٰ ہے؛ یہ آخر الذکر دونوں باتیں کچھ کم خوفناک نہیں ہیں؛ کیوں کہ اگر کسی صحابی کی طرف سے دل میں بدظنی پیدا ہوگئی تو نجات مشکوک ہوجائے گی، بہت سی احادیث صحیحہ کی تصریحات اور بہت سی آیات کی توضیحات سے انحراف لازم آئے گا اور اگر اس شہادت کو تمام سابقہ ولاحقہ شہادتوں سے افضل سمجھ لیا تو اور بھی زیادہ قباحت ہے؛ کیونکہ ایک نص قرآنی کا انکار ہوجائے گا جس کا صریح مضمون یہ ہے کہ

> ''فتح مکہ کے بعد جس قدر جہاد ہوئے ان کا رُتبہ اُن جہادوں سے کم ہے جو فتح مکہ سے پہلے ہوچکے ہیں ''لا يستوي منكم من أنفق قبل الفتح وقاتل'' اس کے علاوہ یہ عقیدہ بہت سی احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔''

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ خرابی ایسی پھیلی ہوئی ہے کہ جاہلوں کا کیا ذکر اکثر خواندہ لوگ بھی اس سے خالی نہیں، حضرت حسینؓ کو ''سیدالشہداء'' کہنا اسی فاسد عقیدہ کی بنا پر ہے، ان دونوں خرابیوں کا سدِّ باب اسی طرح ہوسکتا ہے کہ جب کوئی شخص ''واقعۂ شہادت'' بیان کرے تو تیسری خرابی کے دفاع کے لیے اس پر لازم ہے کہ جو صحابۂ کرامؓ اس زمانہ میں موجود تھے اور ان کو سیدنا حسینؓ کے عزم کربلا کی اطلاع ہوئی؛ مگر وہ شریک نہ ہوسکے، جیسے حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوداؤد لیثی، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی اور صحیح تھے، ان کو بھی بیان کیا جائے اور ان حضرات کو حضرت

حسینؓ سے جو تعلق تھا اور اس واقعہ سے ان کو جو صدمہ پہنچا سب بیان کیا جائے اور چوتھی قباحت کے سدِ باب کے لیے لازم ہے کہ جن شہادتوں کی افضلیت بنصِ قرآن ثابت ہے، جیسے ''بدر واُحد'' کی شہادتیں پہلے ان کا ذکر کیا جائے اور ان کی فضیلت پر روشنی ڈالی جائے نیز خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کی صحیح روایتیں بیان کی جائیں۔

اس سلسلہ میں ہمارے اسلافؒ کے کیا ارشادات ہیں؟ ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں؛ چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ ''صواعق محرقہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''وَإِيّاه ثُمَّ إِيّاه أن يَّشْتَغِلَ فِي يَوْمِ عاشُوراءَ بِبِدَعِ الرَّافِضَةِ مِنَ النُدبِ والنِّيادَةِ والحُزْنِ إِذْ لَيْسَ ذٰلِكَ مِنْ أَخْلَاقِ المُؤمِنِيْنَ وإلّا لَكَانَ يَومَ وَفَاتِهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلىٰ بِذَٰلِكَ وَأَحْرىٰ'' یعنی خبردار! خبردار! یوم عاشوراء میں روافض کی بدعتوں میں مشغول نہ ہونا! جیسے رونا، چیخنا، چلانا اور غم وماتم کرنا؛ کیونکہ یہ باتیں مؤمنوں کے اخلاق میں سے نہیں ہیں، ورنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن ان باتوں کے لیے زیادہ لائق تھا۔

علامہ ابوالرجاء زاہدی امام برہان الدین بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے کسی نے فتویٰ پوچھا کہ واعظ لوگ جو یوم عاشوراء میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے وقت ان کی مصیبت پر افسوس ظاہر کرنے کے لیے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں اور لوگوں کو کھڑے ہوکر ماتم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ آیا حکّام پر لازم ہے کہ ان امور سے ان کو ممانعت کریں تو امام ممدوح نے اس کے جواب میں لکھا کہ ''يُمْنَعُ ذالكَ'' یعنی ان افعال سے انھیں روک دیا جائے۔

علامہ ابن حجر مکی ہیثمیؒ ''صواعقِ محرقہ'' میں حضرت امام غزالیؒ کی ایک عبارت نقل کرکے اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

''امام غزالیؒ ونیز دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ واعظ وغیرہ پر حرام ہے کہ وہ حضرت حسنؓ وحسینؓ کی شہادت اور اس شہادت کے حالات نیز ان واقعات کو جو صحابہؓ میں باہم پیش آئے بیان کرے؛ کیونکہ ان واقعات سے صحابہؓ کے ساتھ بغض وسوء ظن پیدا ہوتا ہے اور ان پر طعن کرنے والا خود اپنی ذات میں اور اپنے دین میں طعن کرنے والا ہے، امام ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام غزالیؒ نے جو ذکر شہادتین وغیرہ کو حرام لکھا، وہ اس کے منافی نہیں جو میں نے اس کتاب میں بیان کیا؛ کیوں کہ وہ ایسے بیانات ہیں جن کا اعتقاد ضروری ہے، جن میں صحابہؓ کی جلالت اور تمام نقائص سے بری ہونا مذکور ہے، بخلاف اس بیان کے جو جاہل واعظ کیا کرتے ہیں کہ جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں یا سچے واقعات کا اصلی

مطلب نہیں بیان کرتے اور جو عقائد حقہ ہیں ان کو نہیں بیان کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جُہّال کو صحابہؓ سے بغض وسوءِ ظن پیدا ہوجاتا ہے (اسی قسم کے بیان کو امام غزالیؒ نے حرام کہا ہے، نہ کہ مطلق ذکر شہادتین کو)۔

مُلّا احمد رومی ''مجالس الابرار'' میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ ''یوم عاشوراء'' میں واقعۂ شہادت بیان کرتے وقت کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں، ننگے سر ہوجاتے ہیں اور حاضرینِ محفل کو کھڑے ہوجانے اور ماتم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں؛ تاکہ حضرت حسینؓ کے مصائب پر غم ظاہر ہو، ان حرکات سے منع کرنا حُکّامِ وقت پر واجب ہے اور اس قسم کے بیانات کا سننے والا ہرگز معذور نہیں، امام غزالی اور نیز دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ واعظینِ اسلام پر ''قتل حسینؓ'' کی روایت اور ''مشاجراتِ صحابہ'' کے واقعات کو بیان کرنا حرام ہے؛ کیونکہ اس سے صحابہؓ کے ساتھ بغض اور سوءِ ظن پیدا ہوجاتا ہے؛ حالاں کہ وہ لوگ علامتِ دین ہیں، ہمارے پیشواؤں نے دین انہیں سے حاصل کیا اور ہم نے اپنے پیشواؤں سے حاصل کیا پس صحابہؓ پر طعن کرنا خود اپنے اوپر اور اپنے دین پر طعن کرنا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ کے احکام کا لحاظ میرے صحابہؓ کے حق میں کرنا، اُن کو میرے بعد ''نشانۂ ملامت'' نہ بنانا، جو شخص ان سے محبت رکھے گا، وہ میرا محبّ ہے اور جو ان سے دشمنی رکھے گا، وہ میرا دشمن ہے جو ان کو ایذاء دے اُس نے اللہ کو ایذا دی۔

ان تمام حدیثوں کی وجہ سے مؤمن پر صحابۂ کرامؓ کی تعظیم اور اُن کا ذکرِ خیر واجب ہے اور ان کے مطاعن سے زبان کو بند رکھنا ضروری ہے، حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کی شہادت کے سبب سے بہت سے فتنے پھیلے اور بہت سی جھوٹی روایتیں مشہور ہوگئیں، ان روایتوں کا جانچنا ہر شخص کا کام نہیں؛ لہٰذا ہر کس وناکس کو اس وادی میں نہیں آنا چاہیے!

* * *

وقف، شریعت کی روشنی میں

از: مولانا ندیم احمد انصاری
الفلاح انٹرنیشنل فاؤنڈیشن، ممبئی

وقف ایک عظیم عبادت ہے، اس کے ذریعے مسلمانوں کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اس کی محبت میں کسی چیز کو اپنی مِلک سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کر دینے کو ''وقف'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وقف کی ہوئی اشیاء واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہیں۔ وقف ہونے کے بعد ان اشیاء میں تصرف کا اختیار اس شخص کو ہوتا ہے جو متولی اور نگراں بنایا گیا ہو۔ اس کی ذمّے داری ہے کہ وہ وقف املاک کا پورا خیال رکھے۔ ارشادِ ربانی ہے: فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ٥ پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا اسے چاہیے کہ اپنی امانت ادا کر دے اور وہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے۔ (البقرہ) ایک مقام پر فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ٥ اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول ﷺ سے (ان حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو؛ حالاں کہ تم (سب حقیقت) جانتے ہو۔ (الانفال) اس کے باوجود آج وقف املاک کا جو حال ہے وہ جگ ظاہر ہے۔

وقف کی مشروعیت

جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ وقف مشروع ہے اور اس کا شمار مستحب عبادات میں ہے۔ ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ إِلَى مَشْرُوعِيَّةِ الْوَقْفِ وَلُزُومِهِ وَاعْتِبَارِهِ مِنَ الْقُرَبِ الْمَنْدُوبِ إِلَيْهَا.

(الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ) حضرت جابر فرماتے ہیں: میرے علم میں مہاجرین اور انصار میں سے کوئی ایسا شخص نہیں، جس کے پاس مال ہو اور اس نے (کچھ) مال ہمیشہ کے لیے صدقہ کر کے وقف نہ کیا ہو، جسے نہ کبھی خریدا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔ وَقَالَ جَابِرٌ: مَا أَعْلَمُ أَحَدًا كَانَ لَهُ مَالٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ إِلَّا حَبَسَ مَالًا مِنْ صَدَقَةٍ مُؤَبَّدَةٍ لَا تُشْتَرَى أَبَدًا وَلَا تُوهَبُ وَلَا تُورَثُ. (ایضاً) علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: یہ صحابہؓ کی طرف سے اجماع ہے؛ اس لیے کہ ان میں سے جو وقف پر قادر تھا اس نے وقف کیا اور اس کی شہرت ہوگئی، کسی نے نکیر نہیں کی، لہٰذا یہ اجماع ہوا۔ وَقَالَ ابْنُ قُدَامَةَ: وَهٰذَا إِجْمَاعٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَإِنَّ الَّذِي قَدَرَ مِنْهُمْ عَلَى الْوَقْفِ وَقَفَ وَاشْتَهَرَ ذٰلِكَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ أَحَدٌ فَكَانَ إِجْمَاعًا. (ایضاً) علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں: احباس (اوقاف) ایک دائمی طریقہ ہے، جس پر حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد مسلمانوں نے عمل کیا۔ وقَالَ ابْنُ رُشْدٍ: الأَحْبَاسُ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ عَمِلَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللّٰہ علیہ و سلم وَالْمُسْلِمُونَ مِنْ بَعْدِهِ. (ایضاً)

وقف کا شرعی حکم

وقف میں اصل یہ ہے کہ وہ مستحب عبادات میں سے ہے اور بعض معین حالات میں بھی اس کو دوسرے احکام بھی لاحق ہوجاتے ہیں؛ چناں چہ کبھی وقف فرض ہوجاتا ہے اور یہ نذر مانا ہوا وقف ہے، جیسے کوئی کہے: اگر میرا لڑکا آجائے گا تو میرے اوپر لازم ہوگا کہ اس گھر کو مسافر کے لیے وقف کردوں۔ وقف کبھی مباح ہوتا ہے؛ جب کہ وہ قربت کی نیت کے بغیر ہو؛ اسی لیے وہ ذمّی کی طرف سے صحیح ہوتا ہے اور اس کو کوئی ثواب نہیں ملتا اور کبھی قربت ہوتا ہے؛ جب کہ مسلمان کی جانب سے ہو۔ کبھی وقف حرام ہوتا ہے، جیسے کوئی مسلمان کسی معصیت پر وقف کرے، جیسے کسی گرجا پر وقف کرنا۔ الأَصْلُ فِي الْوَقْفِ أَنَّهُ مِنَ الْقُرَبِ الْمَنْدُوبِ إِلَيْهَا، وَقَدْ تَعْتَرِيهِ أَحْكَامٌ أُخْرَى فِي حَالَاتٍ مُعَيَّنَةٍ: فَقَدْ يَكُونُ الْوَقْفُ فَرْضًا وَهُوَ الْوَقْفُ الْمَنْذُورُ كَمَا لَوْ قَالَ: إِنْ قَدِمَ وَلَدِي فَعَلَيَّ أَنْ أَقِفَ هٰذِهِ الدَّارَ عَلَى ابْنِ السَّبِيلِ، وَقَدْ يَكُونُ مُبَاحًا إِذَا كَانَ بِلَا قَصْدِ الْقُرْبَةِ، وَلِذَا يَصِحُّ مِنَ الذِّمِّيِّ وَلَا ثَوَابَ لَهُ، وَيَكُونُ قُرْبَةً إِذَا كَانَ مِنَ الْمُسْلِمِ. وَقَدْ يَكُونُ الْوَقْفُ حَرَامًا كَمَا لَوْ وَقَفَ مُسْلِمٌ عَلَى مَعْصِيَةٍ كَوَقْفِهِ عَلَى كَنِيسَةٍ. (الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ)

وقف کا ذکر احادیث میں

بخاری شریف میں باب ہے: بَابُ: إِذَا قَالَ دَارِی صَدَقَةٌ لِلَّهِ وَلَمْ يُبَيِّنْ لِلْفُقَرَاءِ أَوْ غَيْرِهِمْ. فَهُوَ جَائِزٌ، وَيَضَعُهَا فِي الأَقْرَبِينَ أَوْ حَيْثُ أَرَادَ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لأَبِي طَلْحَةَ حِينَ قَالَ أَحَبُّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ، فَأَجَازَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَجُوزُ حَتَّى يُبَيِّنَ لِمَنْ وَالأَوَّلُ أَصَحُّ. جب ابوطلحہؓ نے کہا کہ میرے اموال میں مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ''بیرحاء'' کا باغ ہے اور وہ اللہ کے راستے میں صدقہ ہے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اسے جائز قرار دیا تھا؛ لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ جب تک یہ نہ بیان کردے کہ صدقہ کس لیے ہے، جائز نہیں ہوگا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (بخاری) حضرت انس سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسجد بناتے وقت فرمایا تھا کہ اے بنی نجار! تم اپنا باغ میرے ہاتھ فروخت کردو۔ تو ان لوگوں نے عرض کیا: ہم تو اس کی قیمت اللہ ہی سے چاہتے ہیں۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ، قَالُوا: لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللَّهِ. (بخاری)

رسول اللہ ﷺ کا وقف

حضرت عمرو بن حارث سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے نہ دینار چھوڑے نہ درہم، غلام نہ باندی، صرف ایک خچر چھوڑا تھا جس پر آپ ﷺ سواری فرمایا کرتے تھے اور کچھ تھوڑی سی زمین، جسے آپ ﷺ نے اپنی حیات میں مسافروں کی ضرورت کے لیے وقف کردیا تھا۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دِينَارًا، وَلَا دِرْهَمًا، وَلَا عَبْدًا، وَلَا أَمَةً إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ الَّتِي كَانَ يَرْكَبُهَا، وَسِلَاحَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا لِابْنِ السَّبِيلِ صَدَقَةً. (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقف

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے؛ حضرت عمر کو خیبر میں کچھ زمین ملی تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے خیبر میں ایسا مال ملا ہے کہ اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ملی، اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو اس کی اصل اپنے پاس رہنے دو اور اس کے نفع کو صدقہ کردو!

پس حضرت عمر نے وہ زمین صدقہ کردی، اس طرح کہ نہ بیچی جاسکے اور نہ ہبہ کی جاسکے اور نہ وراثت میں دی جاسکے، اس سے فقرا، اقربا، غلاموں کو آزاد کرنے، اللہ کی راہ اور مہمان وغیرہ پر خرچ کیا جاتا تھا، اس کے متولی پر عرف کے مطابق اس کا استعمال کرنا جائز تھا، اسی طرح وہ اپنے کسی دوست وغیرہ کو بھی کھلاسکتا تھا۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: اَصَابَ عُمَرُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اَصَبْتُ مَالًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ، اَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ، فَمَا تَامُرُنِي، قَالَ: اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا، وَتَصَدَّقْتَ بِهَا، فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ، اَنَّهَا لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا، وَلَا يُوهَبُ، وَلَا يُورَثُ، تَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ، وَالْقُرْبَى، وَالرِّقَابِ، وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَابْنِ السَّبِيلِ، وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَاكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، اَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ. (ترمذی)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقف

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ محصور ہوئے تو اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر لوگوں سے فرمایا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ وہ وقت یاد کرو جب حراء کا پہاڑ ہلا تھا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ رک جا، تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کے علاوہ کوئی نہیں۔ لوگ کہنے لگے: ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: میں تمھیں یاد دلاتا ہوں: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس تنگی اور مشقت کی حالت میں خرچ کرے؟ اس کا (صدقہ) قبول کیا جائے گا؛ چناں چہ میں نے اس لشکر کو تیار کرایا۔ لوگ کہنے لگے: ہاں۔ پھر حضرت عثمان نے فرمایا: اللہ کے لیے میں تمھیں یاد دلاتا ہوں کہ کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ رومہ کے کنوئیں سے کوئی شخص بغیر قیمت ادا کیے پانی نہیں پی سکتا تھا اور میں نے اسے خرید کر امیر و غریب اور مسافروں کے لیے وقف کردیا تھا۔ لوگ کہنے لگے: اے اللہ ہم جانتے ہیں! پھر آپ نے بہت سی باتیں گنوائیں۔ عَنْ اَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: لَمَّا حُصِرَ عُثْمَانُ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ فَوْقَ دَارِهِ، ثُمَّ قَالَ: اُذَكِّرُكُمْ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُونَ اَنَّ حِرَاءَ حِينَ انْتَفَضَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اثْبُتْ حِرَاءُ فَلَيْسَ عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ، اَوْ صِدِّيقٌ، اَوْ شَهِيدٌ"، قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: اُذَكِّرُكُمْ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُونَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِي جَيْشِ الْعُسْرَةِ: مَنْ يُنْفِقُ نَفَقَةً مُتَقَبَّلَةً وَالنَّاسُ مُجْهَدُونَ مُعْسِرُونَ فَجَهَّزْتُ ذَلِكَ الْجَيْشَ، قَالُوا: نَعَمْ، ثُمَّ قَالَ: اُذَكِّرُكُمْ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُونَ اَنَّ بِئْرَ رُومَةَ لَمْ يَكُنْ يَشْرَبُ مِنْهَا اَحَدٌ اِلَّا بِثَمَنٍ فَابْتَعْتُهَا، فَجَعَلْتُهَا لِلْغَنِيِّ، وَالْفَقِيرِ،

وَابْنِ السَّبِيلِ، قَالُوا: اللّٰهُمَّ نَعَمْ، وَاَشْيَاءَ عَدَّدَهَا. (ترمذی)

مرحومین کی طرف سے وقف

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، حضرت سعد بن عبادہؓ کی عدم موجودگی میں ان کی والدہ فوت ہوگئیں۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ فوت ہوگئی ہیں، اگر میں کوئی چیز ان کی طرف سے صدقہ کروں تو وہ انھیں نفع پہنچائے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں (ضرور)۔ حضرت سعد نے کہا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا پھل دار باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔ اَخْبَرَنِی يَعْلَى، اَنَّهُ سَمِعَ عِكْرِمَةَ، يَقُولُ: اَنْبَاَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تُوُفِّيَتْ اُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ اُمِّي تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا، اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنِّي اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا. (بخاری، قبل الحدیث)

وقف کی حفاظت

وقف کے مال کی حفاظت متولی پر حتی المقدور لازم ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو اس سے مؤاخذہ کیا جائے گا۔ واقف نے جو مال جس مقصد کے لیے دیا ہے، اسی مصرف میں اسے صرف کرنا واجب ہے۔ (مثال کے طور پر) جو زمین مسجد کے لیے وقف ہوچکی ہے، اب ضروری ہے کہ واقف نے جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے اسی میں اس کا استعمال ہو، گاؤں والے اس میں ترمیم وتغییر نہیں کرسکتے۔ شرطُ الواقف کنص الشارع فقہاء کے یہاں مسلّم ہے۔ (محمود الفتاویٰ)

وقف میں رجوع

وقف ایسی چیز نہیں، جس میں بچوں کے کھیل کی طرح نیت سے رجوع کیا جاسکے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کی نیت کرلی گئی، اب اس سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ شامیؒ نے شیخ قاسمؒ کا موقف نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: وقف میں جو شرطِ معتبر ابتداءً لگائی گئی ہو، خود واقف کو بھی اس میں تبدیلی اور تخصیص کا اختیار حاصل نہیں، خاص طور پر جب کہ قاضی بھی اس کا فیصلہ کردے۔ اس سے ثابت ہوا کہ واقف کے لیے اپنی شرط سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ وَمَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ

مُعْتَبَرٍ فِي الْوَقْفِ فَلَيْسَ لِلْوَاقِفِ تَغْيِيرُهُ وَلَا تَخْصِيصُهُ بَعْدَ تَقَرُّرِهِ وَلَا سِيَّمَا بَعْدَ الْحُكْمِ. فَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ الرُّجُوعَ عَنِ الشُّرُوطِ لَا يَصِحُّ. (فتاویٰ شامی)

وقف میں اپنے لیے شرط

بخاری شریف ''کتاب الوصایا'' میں ایک باب ہے: زمین یا کنواں وغیرہ وقف کرنے والے نے اپنے لیے شرط لگائی کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی اپنا ڈول اس میں ڈالے گا، تو ایسے وقف کے درست ہونے کا بیان۔ اس میں یہ روایت آئی ہے کہ حضرت انسؓ نے ایک گھر وقف کر دیا تھا، پھر وہ جب وہاں جاتے تو اسی میں مقیم ہوتے۔ حضرت زبیر نے بھی اپنے گھر خیرات کر دیے تھے اور اپنی مطلقہ بیٹیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس میں رہیں؛ لیکن مکان کو نقصان نہ پہنچائیں اور نہ خود تکلیف اٹھائیں، پھر اگر کوئی شوہر کی وجہ سے مال دار ہو جاتی تو اس سے کہہ دیتے کہ اس کو ان مکانات میں رہنے کا حق نہیں ہے اور حضرت ابن عمرؓ نے اپنا حصہ؛ جو حضرت عمر کے گھر سے انھیں ملا تھا، اس کو اپنی محتاج اولاد کے لیے عمریٰ (ایسا ہبہ جس میں تاحیات خود تصرف کرنے کا حق ہو) کر دیا تھا۔۔۔ حضرت عمرؓ نے اپنے وقف کے بارے میں فرمایا تھا کہ جو شخص اس کا متولی ہوا، اس پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ اس میں سے کچھ کھالے، اور وقف کا متولی کبھی خود واقف بھی رہتا ہے، کبھی کوئی دوسرا، تو یہ بات ہر ایک کے لیے جائز ہوئی کہ متولی اپنے ضروری خرچ کے لیے اس میں (عرف کے مطابق) کچھ لے لے۔ بَابُ إِذَا وَقَفَ اَرْضًا اَوْ بِئْرًا وَاشْتَرَطَ لِنَفْسِهِ مِثْلَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ: وَاَوْقَفَ اَنَسٌ دَارًا، فَكَانَ إِذَا قَدِمَهَا نَزَلَهَا وَتَصَدَّقَ الزُّبَيْرُ بِدُورِهِ، وَقَالَ لِلْمَرْدُودَةِ مِنْ بَنَاتِهِ: اَنْ تَسْكُنَ غَيْرَ مُضِرَّةٍ، وَلَا مُضَرٍّ بِهَا، فَإِنِ اسْتَغْنَتْ بِزَوْجٍ فَلَيْسَ لَهَا حَقٌّ، وَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ نَصِيبَهُ مِنْ دَارِ عُمَرَ سُكْنَى لِذَوِي الْحَاجَةِ مِنْ آلِ عَبْدِ اللَّهِ. . . وَقَالَ عُمَرُ: فِي وَقْفِهِ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهُ اَنْ يَاْكُلَ وَقَدْ يَلِيهِ الْوَاقِفُ وَغَيْرُهُ فَهُوَ وَاسِعٌ لِكُلٍّ. (بخاری) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے وقت میں یہ شرط مقرر کی تھی کہ جو شخص اس کا متولی ہو وہ اس میں سے کھالے اور اپنے دوست کو کھلا دے، بہ شرطے کہ وہ اس طریقے سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، اَنَّ عُمَرَ اشْتَرَطَ فِي وَقْفِهِ اَنْ يَاْكُلَ مَنْ وَلِيَهُ، وَيُوْكِلَ صَدِيقَهُ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا. (بخاری) یعنی جو شخص وقفی جائیداد کا متولی و منتظم ہو، اپنی محنت و انتظام کی اجرت دستور کے مواقف لے سکتا ہے۔ (نصر الباری)

مقاصدِ مسجد کے لیے

مسجد کے لیے وقف اشیاء، زمین، مکان، دکان، جانور یا جمع شدہ روپے کو مسجد کا مستقل ذریعہ آمدنی بنانے کے لیے مصرف میں لانا شرعاً جائز ہے۔ اس سے مقاصدِ مسجد کی تکمیل اور ضروریاتِ مسجد پوری کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مسجد کی انتظامی کمیٹی کو ان امور میں علماء کے مشورے کے بعد فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: مسجد کی گھاس اور چٹائی جب مسجد کو ان کی ضرورت نہ رہے، اسی طرح مسافرخانہ اور کنواں جب ان سے نفع نہ اٹھایا جارہا ہو، تو ان کا وقف قریبی مسجد، مسافرخانے، کنویں اور حوض پر صرف کیا جائے گا۔ حَشِيشُ الْمَسْجِدِ وَحُصُرُهُ مَعَ الِاسْتِغْنَاءِ عَنْهُمَا وَ كَذَا الرِّبَاطُ وَالْبِئْرُ إِذَا لَمْ يُنْتَفَعْ بِهِمَا فَيُصْرَفُ وَقْفُ الْمَسْجِدِ وَالرِّبَاطِ وَالْبِئْرِ وَالْحَوْضِ إِلَى أَقْرَبِ مَسْجِدٍ أَوْ رِبَاطٍ أَوْ بِئْرٍ أَوْ حَوْضٍ. (درمختار) اور ایک وقف کا ملبہ اُسی طرح کے دوسرے وقف پر خرچ کرنا جائز ہے۔ وقف کے ملبے کو بعینہٖ وقف میں استعمال کرنا ممکن نہ ہو تو حاکم یا متولی اس ملبے کو وقف کی تعمیر میں استعمال کرے، ورنہ اسے محفوظ رکھے، اور اگر اس کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس ملبے کو بیچ دے اور حاصل ہونے والی قیمت محفوظ رکھے؛ تاکہ وقف کو ضرورت پڑنے پر وہ وقف میں استعمال کی جاسکے۔ وَصَرَفَ الْحَاكِمُ أَوِ الْمُتَوَلِّي نَقْضَهُ أَوْ ثَمَنَهُ إِنْ تَعَذَّرَ إِعَادَةُ عَيْنِهِ إِلَى عِمَارَتِهِ إِنِ احْتَاجَ وَإِلَّا حَفِظَهُ لَهُ لِيَحْتَاجَ إِلَّا إِذَا خَافَ ضَيَاعَهُ فَيَبِيعَهُ وَيُمْسِكُ ثَمَنَهُ لِيَحْتَاجَ. (ایضاً)

وقف کی زمین بیچنا

اگر واقف نے بہ وقتِ وقف اس زمین میں تبدیلی کرنے کا اختیار اپنے لیے یا (بعد میں آنے والے) کسی اور کے لیے رکھا ہے، تب تو اس کی تجویز کردہ شرط کے مطابق تبدیلی درست ہے، اور اگر اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی اور موقوفہ زمین بالکلیہ ناقابلِ انتفاع نہیں بنی؛ بلکہ اس میں سے آمدنی ہوتی ہے؛ اگرچہ اس کے بدل سے زیادہ آمدنی متوقع ہے، تو اس صورت میں مختار قول کے بہ موجب اس زمین کو فروخت کرکے آمدنی کا کوئی دوسرا مستقل ذریعہ بنانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر اس زمین سے ہونے والی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ اس زمین پر ہونے والے مصارف کے لیے بھی کافی نہیں ہے، تو چند شرائط کے ساتھ اس میں تبدیلی درست ہے۔ اعلم ان الاستبدال علی ثلاثة وجوہ:

الاول: ان يشرطه الواقف لنفسه او لغيره او لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقا. والثانى: ان لا يشرطه سواء شرط عدمه او سكت؛ لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية، بان لا يحصل منه شيء اصلا، او لا يفى بمؤنته فهو ايضاً جائز على الاصح، إذا كان بإذن القاضى، ورايه المصلحة فيه. والثالث: ان لا يشرطه ايضاً؛ ولكن فيه نفع فى الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار، كذا حرره العلامة قنالى زاده فى رسالته الموضوعة الاستبدال اطنب فيها عليه الاستدلال وهو ماخوذ من الفتح ايضاً. (شامی،محمود الفتاویٰ مبوب)

وقف کا مال بینکوں میں رکھنا

وقف کا مال بلا شدید ضرورت کے بینکوں میں رکھنا جائز نہیں۔ اگر متولی نے وقف کا مال بینکوں میں رکھا تو بینک کے دیوالیہ ہونے پر اس پر ضمان لازم آئے گا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: بہ جز خاص صورتوں کے جن میں مال کا تلف ہوجانا مظنون قریب یا متیقن ہو، کسی کو قرض دینا جائز نہیں اور بینکوں میں جو جمع کیا جاتا ہے گو عنوان اس کا ودیعت ہو؛ لیکن اس کے قواعد میں یہ امر یقینی اور معروف ہے کہ وہاں بعینہٖ یہ ودائع نہیں رکھی جاتیں؛ بلکہ اُن سے کاروبار کیا جاتا ہے پس بقاعدہ المعروف کالمشروط اس تصرف کو مودع بکسر الدال کی جانب سے ماذون فیہ کہا جائے گا، اور تصرف کا اذن دینا اِقراض ہے، پس خزانچی کا یہ فعل یقیناً اِقراض ہوا، جو ناجائز تھا؛ اس لیے بہ صورت اِتلاف کے خزانچی پر اور جتنے ممبروں نے اس اقراض کی اجازت دی ہے سب پر ضمان لازم آوے گا، خزانچی پر بہ وجہ مباشرت کے اور ممبروں پر بہ وجہ اجازت کے۔ (امداد الفتاوی جدید)

❋ ❋ ❋

قوموں کے تعلق سے قدرت کے قانون تغیر کی تشریح

از: مولانا اختر امام عادل قاسمی
جامعہ ربانی منوروا شریف بہار

اس حقیر کا ایک مضمون رسالہ دارالعلوم دیوبند میں ''قرآن کریم کی روشنی میں افراد سازی'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اس میں آیت کریمہ ''إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ'' (رعد:۱۱) (ترجمہ: بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا؛ جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل ڈالے اور جب اللہ کسی قوم کو برے دن دکھانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور اللہ کے سوا ایسوں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوسکتا) کے تحت ایک شعر نقل کیا گیا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

===================

یہ شعر مولانا ظفر علی خانؒ کا ہے، جو ان کے شعری مجموعہ ''بہارستان'' میں شامل ہے، اس مجموعہ میں ایک نظم کا عنوان ہی ہے ''إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ'' اس نظم کا آخری شعر یہی ہے (دیکھیے: بہارستان، مولانا ظفر علی خانؒ، ص ۲۵۹، اردو اکیڈمی پنجاب لوہاری دروازہ لاہور، ۱۹۳۷ء)۔

ایک شبہ

اس پر لاہور سے ایک صاحب نے یہ اعتراض لکھ کر بھیجا ہے کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ آیت کریمہ اور مذکورہ شعر میں کوئی معنوی اشتراک نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کلیتاً مختلف مفاہیم پر دلالت کرتے ہیں''، پھر انھوں نے تفسیر ابن کثیر، تفسیر کشاف اور تفسیر عثمانی کے

حوالوں سے بتایا ہے کہ آیت کا تعلق صرف اچھی حالت اور نعمت کے پہلو سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی قوم یا فرد کو کوئی نعمت وعافیت عطا کرتے ہیں، تو جب تک وہ اپنی حالت کو تبدیل نہ کرلے اور معصیت ونافرمانی میں مبتلا نہ ہوجائے، یہ نعمت سلب نہیں کی جاتی ہے کہ یہ ظلم ہے، اور اللہ ظالم نہیں ہے، یہاں مطلق احوال کی تبدیلی مراد نہیں ہے، صرف سلب نعمت کے لیے یہ اصول بیان کیا گیا ہے، عطائے نعمت کے لیے یہ اصول نہیں ہے، نعمت اللہ پاک جسے چاہتے ہیں عطا کردیتے ہیں، وہ قادرِ مطلق ہے، ساری خرابیوں کے باوجود وہ عطا کرنا چاہیں تو یہ کرم ہی کرم ہوگا، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

شبہ کا جواب

(۱) اس شبہ کے جواب میں پہلی بات یہ عرض ہے کہ دعوتی یا فکری مضامین میں دورانِ کلام جو اشعار لکھے جاتے ہیں وہ خفیف اور معمولی مناسبتوں سے بھی زیر قلم آجاتے ہیں، فقہی اور استدلالی مباحث کی طرح ان میں کلی تطبیق کی جستجو نہیں کی جاتی، مضامین ومقالات میں اس طرح کے اشعار نہ موضوع گفتگو بنتے ہیں اور نہ ان پر بحث کا مدار ہوتا ہے۔

اردو تراجم کے تناظر میں

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت مذکورہ ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ“ کا اردو ترجمہ ہمارے متعدد معتبر مترجمین نے انھیں الفاظ میں کیا ہے جو مذکورہ بالا شعر میں موجود ہیں، مثلاً:

* حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے ترجمہ کیا ہے:

”اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے جیوں میں ہے“۔

(دیکھیے: ترجمہ شیخ الہند مع تفسیر عثمانی عنوانات: مولانا محمد ولی رازی ص۲۳۹ ج۲ ص۲۳۹، دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۷ء)

* حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے بھی یہی ترجمہ نقل کیا ہے (دیکھیے: معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ ج۵ ص۱۷۷، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

* حضرت مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ نے ترجمہ کیا ہے:

”بلاشبہ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا؛ جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے“

(انوار البیان فی کشف اسرار القرآن ج۵ ص۱۰۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، محرم ۱۴۲۴ھ)

* شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے، جس کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ (پاکستان) نے اپنی تفسیر محمود میں نقل کیا ہے۔ (تفسیر محمود مفتی محمود ملتان ج۲ ص ۲۷۵، لاہور)

* حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی بعینہ یہی ترجمہ کیا ہے۔ (توضیح القرآن- آسان ترجمۂ قرآن، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۵۸۷ ج ۲ مکتبہ معارف القرآن کراچی)

* حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ (پاکستان) نے ترجمہ کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اس حالت کو جو کسی قوم کی ہے یہاں تک کہ وہ بدلیں جو کچھ ان کے نفسوں میں ہے''۔ (دیکھیے ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ج ۱۰ ص ۲۳۹، سورہ رعد، گوجرانوالہ پاکستان)

بتایئے کہ شعری ترکیب کے علاوہ الفاظ میں کیا فرق ہے؟ انھیں الفاظ کو جو نثری ترجمہ کے طور پر ہمارے معتبر مترجمین نے لکھے ہیں، شاعر نے شعری پیکر میں ڈھال دیا ہے، یعنی گویا منظوم ترجمہ ہے، اگر ان الفاظ کے ساتھ آیت کریمہ کا ترجمہ صحیح ہے تو انھیں الفاظ سے تیار کردہ شعر کیوں غلط ہوجائے گا؟ اور اگر ان الفاظ سے مترجمین کی مراد درست ہے تو شاعر کی مراد کو نادرست کہنے کی کیا وجہ ہے؟

اب آپ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے چاہے اس کی تطبیق خاص احوال (سلب نعمت) پر کریں یا عام حالات (سلب نعمت وعطائے نعمت) دونوں پر؟ وہ ترجمہ کے بعد اگلا مرحلہ ہے، اور قدیم وجدید تفاسیر کی روشنی میں دونوں کی گنجائش ہے؛ لیکن مذکورہ بالا شعر تو آیت کریمہ کے ترجمہ تک محدود ہے۔

آیت کریمہ میں عام قانونِ قدرت کا بیان ہے

(۳) جہاں تک اس آیت کریمہ کی تفسیر کا تعلق ہے تو قرآنی اسلوب کے مطابق یہ ایک عام قانون قدرت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، یعنی اچھی حالت ہو یا بری، قدرت کی طرف سے تبدیلی عام طور پر اس وقت شروع ہوتی ہے جب قوم خود اس تبدیلی پر آمادہ ہو، یعنی اللہ پاک نے کوئی نعمت یا اچھی حالت دے رکھی ہے تو اس کو وقت تک سلب نہیں کرتے؛ جب تک کہ گناہوں اور مسلسل نافرمانیوں کی بنا پر قوم خود اپنی اہلیت نہ کھو بیٹھے۔ اسی طرح کسی قوم کی بری حالت کی درستگی بھی عموماً اس پر موقوف ہوتی ہے کہ قوم کی اکثریت میں اصلاحِ حال کا جذبہ بیدار ہو۔ یہ ایک عام قاعدۂ فطرت ہے؛ لیکن اس سے مخصوص احوال کا استثناء مستبعد نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے کرمِ خاص سے کسی قوم یا فرد کی نااہلی کے باوجود اپنی نعمتیں سلب نہ کرے یا کسی قوم یا فرد کے برے حالات اس کی طلب کے بغیر

درست کردے تو یہ اللہ کی قدرت اور کرم خاص ہوگا، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔۔۔لیکن یہاں مسئلہ اللہ تعالیٰ کے کرم وقدرت کا نہیں، قانونِ عام کے مطابق وعدۂ مشروط کی تکمیل اور استحقاق واہلیت کا ہے۔

آیت کریمہ کے الفاظ عام ہیں؛ اس لیے قاعدہ کے مطابق اس کے عموم میں یہ دونوں جہتیں داخل ہیں، اس کی تائید ایک حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے، جو ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ کے حوالے سے کنز العمال میں نقل کی گئی ہے:

عن علی – رضی الله عنه – عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله وعزتی وجلالی وارتفاعی فوقَ عرشی، ما من أهل قرية ولا أهل بيت ولا رجل ببادية، كانوا علی ما كَرِهْتُه من معصيتی، ثم تحوّلوا عنها إلی ما أحببتُ من طاعتی، إلا تحوّلتُ لهم عما يَكرهون من عذابی إلی ما يُحبون من رحمتی؛ وما من أهلِ بيت ولا قريةٍ ولا رجل ببادية كانوا علی ما أحببت من طاعتی، ثم تحولوا عنها إلی ما كرهت من معصيتی، إلّا تحولت لهم عما يحبون من رحمتی إلی ما يكرهون من غضبی (كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال ج 16 ص 137 حديث نمبر: 44166 المؤلف: علاء الدين علی بن حسام الدين المتقی الهندی البرهان فوری (المتوفی: 975هـ) المحقق: بكری حيانی. صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة، 1401هـ/1981م)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''میری عزت وجلال اور عرش اعظم پر میری جلوہ گری کی قسم! کوئی بستی، یا گھر یا جنگل میں رہنے والا کوئی فرد جو میری معصیت وغضب میں مبتلا ہو، اگر وہ اپنی حالت تبدیل کر کے میری طاعت ومحبت کے دائرے میں داخل ہوجائے تو میں ضرور اپنا عذاب اس سے ہٹا کر اپنی رحمت وکرم عنایت کروں گا، (اسی طرح) کوئی بستی، یا گھر یا جنگل میں رہنے والا کوئی فرد جو میری اطاعت ومحبت کا حامل ہوا گر وہ اپنے حالات بدل کر میری معصیت میں مبتلا ہوجائے جو مجھے پسند نہیں، تو اپنے الطاف وعنایات تبدیل کر کے ان کو یقیناً غضب کے حالات میں مبتلا کردوں گا''۔

البتہ اس آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے صرف ایک پہلو (نعمت وعافیت) کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، اور بعض نے دونوں پہلوؤں (نعمت وعافیت اور شدت ومصیبت) کا ذکر کیا ہے؛ چنانچہ

قدیم مفسرین میں ابن کثیر (م۷۷۴ھ) نے آیت کی تفسیر کے ضمن میں گوکہ صرف نعمت وعافیت کا ذکر کیا ہے؛ لیکن دوسرے پہلو شدت وکلفت کے حالات کو کلیتاً نظر انداز نہیں کیا ہے؛ بلکہ انھوں نے حضرت علیؓ کی مذکورہ بالا روایت کا ذکر کرکے اس کو بھی اس میں شامل کیا ہے، دیکھیے تفسیر ابن کثیر کی یہ عبارت:

(إِنَّ اللَّهَ لا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ) وقد ورد هذا في حديث مرفوع، فقال الحافظ محمد بن عثمان بن أبي شيبة في كتابه "صفة العرش": حدثنا الحسن بن علي، حدثنا الهيثم بن الأشعث السلمي، حدثنا أبو حنيفة اليمامي الأنصاري، عن عمير بن عبد الله قال: خطبنا علي بن أبي طالب على منبر الكوفة، قال: كنت إذا سكتُّ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ابتدأني، وإذا سألته عن الخبر أنبأني، وإنه حدثني عن ربه، عز وجل، قال: "قال الرب: وعزتي وجلالي، وارتفاعي فوق عرشي، ما من أهل قرية ولا أهل بيت كانوا على ما كرهتُ من معصيتي، ثم تحولوا عنها إلى ما أحببت من طاعتي، إلا تحولت لهم عما يكرهون من عذابي إلى ما يحبون من رحمتي" وهذا غريب، وفي إسناده من لا أعرفه. (تفسير القرآن العظيم ج40 ص440 المؤلف: أبوالفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى:774هـ)المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ/1999م)

* علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م۹۱۱ھ) بھی اپنی تفسیر "الدر المنثور فی التاویل بالماثور" میں اسی روش پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، دیکھیے اسی سے ملتی جلتی ان کی عبارت:

وأخرج أبو الشيخ، عن ابن عباس – رضي الله عنهما – (إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم) لا يغير ما بهم من النعمة حتى يعملوا بالمعاصي، فيرفع الله عنهم النعم، وأخرج ابن أبي شيبة في كتاب العرش، وأبو الشيخ وابن مردويه، عن علي -رضي الله عنه- عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله وعزتي وجلالي وارتفاعي فوق عرشي، ما من أهل قرية ولا أهل بيت ولا رجل ببادية، كانوا على ما كرهته من معصيتي، ثم تحوّلوا عنها إلى ما أحببت من طاعتي، إلا تحوّلت لهم عما يكرهون من عذابي إلى ما يحبون من رحمتي؛ وما من أهل بيت ولا قرية ولا رجل ببادية كانوا على ما أحببت من طاعتي، ثم تحولوا عنها إلى ما كرهت من معصيتي، إلا

تحولت لهم عما يحبون من رحمتي إلي ما يكرهون من غضبي. وأخرج أبو الشيخ عن قتادة – رضي الله عنه– في قوله (إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم) قال: إنما يجيء التغيير من الناس، و التيسير من الله، فلا تغيروا ما بكم من نعم الله (الدرالمنثور في التأويل بالمأثور ج5 ص484 المؤلف: عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911هـ)

لیکن بعض مفسرین نے صراحتاً دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا ہے، مثلاً:

(۱)مشہور صوفی محدث حضرت شیخ ابوطالب مکیؒ (م۳۸۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''قوت القلوب'' میں اس آیت کریمہ کے تحت صاف صاف دونوں باتوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے کہ حالتِ نعمت ہو یا حالتِ شدت جب تک قوم خود میں تبدیلی پیدا نہیں کرے گی، اس کے حالات تبدیل نہیں ہوں گے:

وقد قال الله تعالى: (إِنَّ اللّٰه لا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْم حتّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ) الرعد:11 قيل: لا يغير نعمه عليهم حتى يغيّروها بتضييع الشكر فيعاقبهم بالتغيير والوجه الآخر لا يغير ما بهم من عقوبة حتى يغيّروا معاصيهم بالتوبة (قوت القلوب في معاملة المحبوب و وصف طريق المريد إلى مقام التوحيد ج1 ص293 المؤلف: أبو طالب محمد بن أبي الحسن علي بن عباس المكي (المتوفى:386هـ)

٭ علامہ قشیریؒ (م۴۶۵ھ) نے بھی اپنی تفسیر ''لطائف الاشارات'' میں یہی بات لکھی ہے، دیکھیے ان کی عبارت:

قوله جلّ ذكره: (إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بقومٍ حتى يغيروا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ) وإذا غيَّروا ما بهم إلى الطاعات غيَّر اللّٰه مابهم منه من الإحسان والنعمة، وإذا كانوا في نعمة فغيَّروا مابهم من الشكر للّٰه تغيَّر عليهم ما مَنَّ به من الإنعام فيسلبهم ما وهبهم من ذلك، وإذا كانوا في شدة لا يغير ما بهم من البلاء حتى يغيروا ما بأنفسهم، وإذا أخذوا في التضرع وأظهروا العجز غيَّر ما بهم من المحنة بالتبديل والتحويل (لطائف الاشارات ج3 ص493 المؤلف: عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك القشيري (المتوفى: 465هـ)

٭ ایک اور بڑے مفسر علامہ نظام الدین نیشاپوریؒ (م۸۵۰ھ) نے بھی اس بات کا ذکر

کیا ہے، انھوں نے اس ضمن میں حضرت سلیمانؑ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ ایک دن اپنی مملکت کی سیر کو نکلے تو ہوا کو حکم دیا کہ سیدھی ہوکر چلو، ہوا نے عرض کیا کہ پہلے آپ سیدھے ہوجائیں، جب تک آپ سیدھے نہیں ہوں گے میں سیدھی نہیں ہوسکتی، علامہ نیشاپوریؒ لکھتے ہیں، یہی حال باطن کا ہے، جب تک انسان خود کی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو رب کریم کی عنایات حاصل نہیں ہوتیں۔

یروی أن سلیمان فی سیره لاحظ ملكه یومًا فمال الریح ببساطه فقال سلیمان للریح: استو قالت الریح: استو أنت فإنی لا أكون مستویة حتی تستوی أنت. كذلك حال السر مع القلب وریح العنایة إذا زاغ القلب أزاغ اللّٰه بریح الخذلان بساط السر (إن الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بأنفسهم) (غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج6 ص283 المؤلف: نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیسابوری (المتوفی: 850هـ)

* حافظ ابن حجر ہیثمیؒ (م۹۷۴ھ) اپنی مشہور کتاب ’’الزواجر‘‘ میں لکھتے ہیں کہ اللہ کریم کے فضل ونصرت کو متوجہ کرنے کے لیے مدتوں صبر وریاضت کی ضرورت ہوتی ہے، رب کریم کے دروازے کو کھٹکھٹائے بغیر کام نہیں بنتا، اور دلیل میں یہی آیت کریمہ پیش کی ہے:

وَيُكَلَّفُ الْإِخْفَاءَ كَذَلِكَ، وَإِنْ شَقَّ ابْتِدَاءً، لَكِنْ مَنْ صَبَرَ عَلَيْهِ مُدَّةً بِالتَّكَلُّفِ سَقَطَ عَنْهُ ثِقَلُهُ وَأَمَدَّهُ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ مِنْ فَضْلِهِ مَا يَكُونُ سَبَبًا لِرُقِيِّهِ (إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ) فَمِنْ الْعَبْدِ الْمُجَاهَدَةُ وَقَرْعُ بَابِ الْكَرِيمِ (الزواجر عن اقتراف الكبائر ج1 ص123 المؤلف: شهاب الدین أحمد بن محمد، ابن حجر الهیثمی (المتوفی: 974هـ)

* عہد اخیر کے مفسرین میں علامہ رشید رضا مصریؒ (م۱۳۵۴ھ) ایک بڑا نام ہے، انھوں نے اپنی مشہور تفسیر ’’تفسیر المنار‘‘ میں اس آیت کریمہ کے تحت قوموں کے عروج وزوال پر گفتگو کی ہے اور اس کو ترقی وپستی کی بنیاد قرار دیا ہے، رقمطراز ہیں:

(إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ) فَحَالَةُ الْأُمَمِ فِي صِفَاتِ أَنْفُسِهَا - وَهِيَ عَقَائِدُهَا وَمَعَارِفُهَا وَأَخْلَاقُهَا وَعَادَاتُهَا - هِيَ الْأَصْلُ فِي تَغَيُّرِ مَا بِهَا مِنْ سِيَادَةٍ أَوْ عُبُودِيَّةٍ وَثَرْوَةٍ أَوْ فَقْرٍ، وَقُوَّةٍ أَوْ ضَعْفٍ، وَهِيَ الَّتِي تُمَكِّنُ الظَّالِمَ مِنْ إِهْلَاكِهَا. وَالْغَرَضُ

مِنْ هَذَا الْبَيَان أَنْ نَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ لَنَا الِاعْتِذَارُ بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ عَنِ التَّقْصِيرِ فِي إِصْلَاحِ شُئُونِنَا اتِّكَالًا عَلَى مُلُوكِنَا؛ فَإِنَّ مَشِيئَتَهُ تَعَالَى لَا تَتَعَلَّقُ بِإِبْطَالِ سُنَّتِهِ تَعَالَى وَ حِكْمَتِهِ فِي نِظَامِ خَلْقِهِ، وَلَا دَلِيلَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَا فِي الْعَقْلِ وَلَا فِي الْوُجُودِ عَلَى أَنَّ تَصَرُّفَ الْمُلُوكِ فِي الْأُمَمِ هُوَ بِقُوَّةٍ إِلَهِيَّةٍ خَارِقَةٍ لِلْعَادَةِ؛ بَلْ شَرِيعَةُ اللّٰهِ تَعَالَى وَخَلِيقَتُهُ شَاهِدَتَانِ بِضِدِّ ذَلِكَ (فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ59) تفسير القرآن الحكيم (تفسير المنار) ج 2 ص 381 المؤلف: محمد رشيد بن على رضا (المتوفى: 1354هـ) الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب سنة النشر: 1990م عدد الأجزاء: 12 جزء١)

٭ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ (م۱۳۷۶ھ) نے بھی اپنی تفسیر ''تیسیر الکریم'' میں دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا ہے، رقمطراز ہیں:

(انَّ اللَّهَ لا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ) من النعمة والإحسان ورغد العيش (حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ) بأن ينتقلوا من الإيمان إلى الكفر ومن الطاعة إلى المعصية، أو من شكر نعم اللّٰه إلى البطر بها فيسلبهم اللّٰه عند ذلك إياها. وكذلك إذا غير العباد ما بأنفسهم من المعصية، فانتقلوا إلى طاعة الله، غير اللّٰه عليهم ما كانوا فيه من الشقاء إلى الخير والسرور والغبطة والرحمة (تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان ج1 ص414 المؤلف: عبد الرحمن بن ناصر بن عبد اللّٰه السعدى (المتوفى:1376هـ) المحقق: عبد الرحمن بن معلا اللويحق الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى 1420هـ/2000م)

٭ عرب علماء میں شیخ ابوزہرہ (م۱۳۹۴ھ) کا نام بھی کافی شہرت واعتماد کا حامل ہے اور عرب وعجم کے علماء ان کے علم وفضل کے قائل ہیں، انھوں نے اپنی مشہور تفسیر ''زہرۃ التفاسیر'' میں بہت تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، اور وعدۂ الٰہی کے تناظر میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے ساتھ اللہ پاک کی نصرت کے وعدے پورے نہیں ہورہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے احوال وظروف اس لائق نہیں ہیں، اللہ نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی ہے؛ بلکہ ہم اپنے حالات کو خود تبدیل کرنے پر آمادہ نہیں ہیں؛ اس لیے اللہ کی نصرت کا استحقاق بھی ہمیں حاصل نہیں ہوتا، ان کی عبارت کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

(إن اللّٰه لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم. والمعنى الجملى أن اللّٰه تعالى لا يغير ما بقوم حتى يغيروا أنفسهم، فإن كانوا فى خير يأتيهم رزقهم رغدا من كل مكان لا

يغير حالهم إلى ضراء وبأساء إلا إذا غيروا أنفسهم من خير إلى شر وانحراف، ولا يغير الله حال قوم أصابهم الضر والشر والخذلان والهزيمة أمام أعدائهم، إلا إذا غيروا حالهم من فساد إلى صلاح، ومن تخاذل نفس وتفرق كيانى إلا إذا غيروا أنفسهم واجتمعوا على الحق، وتركوا التنابز والتدابر، وقد اكد سبحانه وتعالى هذا المعنى بالجملة الاسمية، وبتصدير الكلام بلفظ الجلالة اسم الله العلى الأعلى القادر على كل شىء وبالغاية (حتى)، فجعل تغير الحال الاليمة إلى حال صالحة راضية منتفية إلا إذا غيروا ما بأنفسهم، أى إنهم يستمرون فى الآلام تنزل بهم إلى أن يغيروا أنفسهم. (زهرة التفاسير ج1 ص3911 المؤلف: الإمام الجليل / محمد بن أحمد بن مصطفى بن أحمد المعروف بأبى زهرة (ت ١٣٩٤هـ) دار النشر: دار الفكر العربى عدد الأجزاء/10)

٭ معروف عرب عالم شیخ ابراہیم القطان (م ۱۴۰۴ھ) اپنی تفسیر ''تیسیر التفسیر'' میں لکھتے ہیں:

(إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حتى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ) ان الله تعالى لا يغير النعمة علة قوم حتى يغيِّروا ما بأنفسِهم، وكذلك لا يغير ذلة او مهانة الا ان يغير الناس من اعمالهم وواقع حياتم، وأكبر دليلٍ على ذلك واقعنا اليوم من تفكّك وتمزق... فنحن العربَ والمسلمين نملك اكبر ثروة فى العالم، ونعيش على أعظم بقاع الارض، ومع ذلك نعانى من الذل والفقر والمرض والجهل وكل ذلك بسبب تردى أحوالِنا وبُعدِنا عن ربّنا، وفى ذلك عبرة كبيرة لنا (تيسير التفسير ج2 ص274 المؤلف: إبراهيم القطان تيسير التفسير. المؤلف: إبراهيم القطان (ت ١٤٠٤هـ)

٭ برصغیر کے علماء میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی ''تفسیر عثمانی'' میں اس آیت کریمہ کو قوموں کے عروج وزوال کا عام قانون قدرت قرار دیا ہے، صرف زوال کا نہیں عروج کا بھی، تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہاں قوموں کے عروج وزوال کا قانون بتایا گیا ہے، اشخاص وافراد کا نہیں، قوم کی اچھی بری حالت متعین کرنے میں اکثریت اور غلبہ کا لحاظ ہوتا ہے''۔ (ترجمہ شیخ الہند مع تفسیر عثمانی عنوانات: مولانا محمد ولی رازی ص۲۳۹ ج۲ ص۲۳۹، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۷ء)

٭ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے گو کہ شعر کو آیت بالا سے غیر متعلق قرار دیا ہے؛ مگر

شعرکو اپنی جگہ درست قرار دیا ہے اور اس کو عام قانون قدرت تسلیم کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''اس تشریح سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں تغیر احوال سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی قوم اطاعت وشکر گذاری چھوڑ کر اپنے حالات میں بری تبدیلی پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا طرز رحمت وحفاظت کا بدل دیتے ہیں۔''

اس آیت کا جو عام طور پر یہ مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قوم میں اچھا انقلاب اس وقت تک نہیں آتا جب تک وہ خود اس اچھے انقلاب کے لیے اپنے حالات کو درست نہ کرے، اسی مفہوم میں یہ شعر مشہور ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

================

یہ بات اگرچہ ایک حد تک صحیح ہے؛ مگر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم نہیں ہے اور اس کا صحیح ہونا بھی ایک عام قانون کی حیثیت سے ہے کہ جو شخص خود اپنے حالات کی اصلاح کا ارادہ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی امداد ونصرت کا وعدہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ وعدہ اسی حالت میں ہے، جب کوئی خود بھی اصلاح کی فکر کرے، جیسا کہ آیت کریمہ والذین جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت کے راستے جب ہی کھلتے ہیں، جب خود ہدایت کی طلب موجود ہو؛ لیکن انعاماتِ الٰہیہ اس قانون کے پابند نہیں، بسا اوقات اس کے بغیر بھی عطا ہو جاتے ہیں۔

دادِ حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت دادِ ہست

================

خود ہمارا وجود اور اس میں بے شمار نعمتیں نہ ہماری کوشش کا نتیجہ ہیں، نہ ہم نے کبھی اس کے لیے دعا مانگی تھی کہ ہمیں ایسا وجود عطا کیا جائے، جس کی آنکھ، ناک، کان اور سب قویٰ واعضا درست ہوں، یہ سب نعمتیں بے مانگے ہی ملی ہیں۔

مانبودیم و تقاضا مانبود
لطف تو ناگفتۂ مامی شنود

================

البتہ انعامات کا استحقاق اور وعدہ بغیر اپنی سعی کے حاصل نہیں ہوتا،اور کسی قوم کو بغیر سعی و عمل کے انعامات کا انتظار کرتے رہنا خود فریبی کے مرادف ہے۔ (معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ ج۵ص۱۸۳، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

٭ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ (پاکستان) نے تو اپنی تفسیر ''ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن''میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مذکورہ شعر بھی اسی پس منظر میں نقل کیا ہے:

''آگے اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے إن اللّٰه لا یغیر ما بقوم بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اس حالت کو جو کسی قوم کی ہے حتی یغیروا ما بأنفسهم یہاں تک کہ وہ بدلیں اس کو جو ان کے نفسوں میں ہے؛ جب تک کوئی قوم اپنی اصلاح کی نیت نہیں کرے گی، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کی حالت نہیں بدلے گا، جبراً اللہ تعالیٰ کسی کی حالت نہیں بدلتے، کوئی شخص نماز پڑھنا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ اس سے دھکے کے ساتھ زبردستی نہیں پڑھواتے، کوئی روزہ نہیں رکھنا چاہتا، جبراً اللہ تعالیٰ اس سے روزہ نہیں رکھواتے، رکھوا سکتا ہے قادرِ مطلق ہے؛ مگر رکھواتا نہیں ہے، جب کوئی نماز روزہ کی نیت کرے گا تو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ زبردستی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

================

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ج۱۰ص۲۴۶ سورہ رعد، گوجرانوالہ پاکستان)

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ شعر کا انطباق مذکورہ آیتِ کریمہ پر درست ہے اور اس کو جمہور مفسرین کے خلاف کہنا صحیح نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

٭ ٭ ٭

ولادت نبوی ﷺ کے وقت روم کی مذہبی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی حیثیت

(۲/۱)

از: ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یعنی چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کا مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی منظرنامہ بری طرح مخدوش تھا۔انسانیت سسک رہی تھی۔ برداریاں،اقوام،ملتیں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔تہذیبیں خلط ملط تھیں۔ گویا ہر طرف بدامنی، تخریب کاری اور سماجی کشیدگی زوروں پر تھی۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ انسانی کے لحاظ سے چھٹی صدی عیسوی تاریک ترین اور پست ترین دور تھا۔اسی منظرنامہ کو معروف مفکر مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی علیہ الرحمہ(1913-1999ء) نے اپنی معروف کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' میں اس طرح بیان کیا ہے:

''چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین وپست ترین دور تھا،صدیوں سے انسانیت جس پستی ونشیب کی طرف جارہی تھی، اس کے آخری نقطہ کی طرف پہونچ گئی تھی، روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی، جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے،اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہورہی تھی، انسان اس صدی میں خدا فراموش ہوکر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا، وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہوچکا تھا،پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی، جن جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کرگئے تھے، وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے، جن سے صرف چند خدا شناس

دل روشن تھے، جو شہروں کو چھوڑ کر چند پورے پورے گھروں میں بھی اجالا نہیں کر سکتے تھے، دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہوکر دیر وکلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور زندگی کی کشمکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک وتلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین وسیاست اور روحانیت ومادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائضِ قیادت سے سبک دوش ہو گئے تھے اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انھوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ نظام سلطنت ومعیشت میں ان کی دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک وسہیم بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مغرب ومشرق کی زعامت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے وہ دنیا کے لیے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار وذمہ دار تھے۔ مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی تھیں، ان کے افراد تعیش و تکلّفات کی زندگی اور مصنوعی تمدن کے سمندر میں سرتاپا غرق تھے، بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشۂ سلطنت میں سرشار تھے، کام ودہن کی لذت اور خواہشات نفس کی تسکین کے سوا ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ تھا، زندگی کی ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی، متوسط طبقہ کے لوگ (ہر زمانے کے دستور کے مطابق) اس اعلی طبقے کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے، باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بارے میں ایسے دبی ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپائیوں سے ذرا مختلف نہ تھی، دوسروں کی راحت کے لیے محنت کرنے اور دوسروں کے عیش وعشرت کے لیے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا، کبھی اگر وہ اس خشک وبے مزہ زندگی اور اس کے یکساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقع ملتا تو فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب واخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہوکر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت وخودفراموشی اجتماعی بے نظمی وانتشار اور

اخلاقی تنزل وزوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل وانحطاط اور شر وفساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے‘‘۔(مولانا، سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، 2001، صفحہ 31-33)

چھٹی صدی مسیحی میں دنیا کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور دینی صورتحال کا نقشہ مولانا علی میاں ندوی علیہ الرحمہ نے درج بالا اقتباس میں بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے۔اس اقتباس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کی حیثیت ہر محاذ پر نہایت پسپا تھی، ہر شعبۂ زندگی میں اجنبیت، ہوس اور انسانی قدریں پوری طرح مفقود تھیں۔حق تلفی اور عدم تحفظ نفس جیسے جرائم کا ارتکاب عام سی بات تھی۔ خواتین کی عصمت وعفت کو مخدوش کرنا بھی کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تمام جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی کسی طرح کا افسوس وندامت نہیں تھا۔ ارباب سیاست و حکومت اور اقتدار وسلطنت کے علمبردار عدل بین الناس کے بجائے رعایا پر ظلم وزیادتی کو روا رکھتے تھے۔الغرض پوری دنیا متعدد اور متنوع جرائم کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔خصوصاً روم وایران جیسی سلطنتیں بھی اعتدال وتوازن اور امن وانصاف سے ہٹ کر کام کررہی تھیں۔ خانہ جنگی اور انتشار وخلفشار کی عجیب وغریب فضا پروان چڑھ چکی تھی؛ چنانچہ اس مجموعی تجزیہ سے عالمی سطح پر چھٹی صدی مسیحی کا سماجی و فکری خاکہ سامنے آ گیا۔

اب سطور ذیل میں دنیا بالخصوص روم، ایران، ہندوستان، عرب اور دیگر ممالک کی سماجی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت روم کی سماجی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حیثیت کو واضح کیا جائے گا۔

ملک روم کا تعارف

یہ حقیقت ہے کہ قدیم رومی تہذیب کا شمار تاریخ انسانی کے ان بڑے سماجوں میں کیا جاتا ہے جس کے اثرات نے دنیا کے ایک بڑے حصّے کو متاثر کیا۔753 قبل مسیح میں سات پہاڑیوں پر قائم ہونے والی ایک چھوٹی شہری ریاست سے لے کر 509 قبل مسیح میں ایک بڑی جمہوری ریاست بننے اور پھر 27 قبل مسیح میں دنیا کی ایک عظیم سلطنت بننے تک رومی تہذیب کا سفر کئی نشیب وفراز سے گزرتا ہے۔ یہ ایک قوم کی داستان ہے جس نے اپنے ظلم، جبر، دہشت گردی اور علم وشعور کے ناجائز استعمال کی بنیاد پر دنیا کے ایک بڑے حصّے پر حکومت کی۔سلطنت روم کی حدود میں انگلستان سمیت یورپ کا

ایک بڑا حصہ،شمالی افریقہ،مصر،شام،ایشیائے کوچک،اٹلی اور مغربی ایشیا کا ایک بڑا حصہ شامل تھا۔ روم کے تہذیبی اور ثقافتی اثرات آج کی مغربی تہذیب میں واضح دیکھے جا سکتے ہیں جس میں بے حیائی، زنا کاری،احسان فراموشی اور استعماری نظام بالخصوص شامل ہے اور یہی بے اعتدالی،ظلم و زیادتی، ہوسِ مال و ملک، بے حیائی اور بے باکی اور فطرت کے اصولوں سے بغاوت جیسے عوامل نے عظیم الشان سلطنت کو بالآخر فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ارضِ روم کے لیے انگریزی زبان میں (Rome) اور اطالوی زبان میں (Roma) کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔روم کی بنیاد روایتوں اور داستانوں میں ملتی ہے۔تاہم جدید تحقیقات اس نظریہ کو تقویت دیتی ہیں کہ شہر کی بنیاد آٹھویں صدی قبل مسیح میں پڑی۔شہر روم، رومی بادشاہت کا دارالحکومت بنا (جس پر روایات کے مطابق بادشاہوں کی 7 پشتوں نے حکومت کی) اور پھر رومی جمہوریہ کا دارالحکومت بنا (جس میں ایوان بالا یا سینٹ کو زیادہ اختیارات حاصل ہوئے)۔ یہ کامیابی اور برتری فوجی طاقت کے ساتھ ساتھ اقتصادی غلبہ کی وجہ سے بھی تھی جس نے اپنے اندر ہمسایہ تہذیبوں خاص کر اٹرسکن (Etruscan) (قدیم مقامی باشندے) اور یونانی تہذیبوں کو جذب کر لیا۔ روم کی برتری پورے یورپ اور بحیرۂ روم (Mediterranean Sea) کے ساحلوں پر بڑھتی گئی؛ جب کہ اس کی آبادی 1000000 سے تجاوز کر گئی۔تقریباً 1000 سال تک روم مغربی دنیا کا سب سے اہم سیاسی مرکز، امیر ترین اور سب سے بڑا شہر رہا اور یہ برتری سلطنتوں کے اتار چڑھاؤ سے متاثر نہ ہوئی۔ (دیکھیے تفصیل: https://muhammadencyclopedia.com) البتہ ڈاکٹر مسعود الحسن خاں نے اپنی کتاب ''تاریخ یورپ میں لکھا ہے: اہلِ رُوم کے لیے کہیں بنی الاصفر کا نام آتا ہے تو کہیں رُوم یا رُومہ کے کے نام سے جانا جاتا ہے (https://muhammadencyclopedia.com بحوالہ مسعود خان، زہرہ گلنار مسعود، ڈاکٹر مسعود الحسن خان، تاریخ یورپ، مطبوعہ: بک فورٹ، لاہور، پاکستان، 2014ء،ص:59) دائرہ معارف اسلامیہ کی تحقیق کے مطابق لفظ ''روم'' مختلف اقوام کے نزدیک مختلف معانی و مفاہیم میں استعمال ہوتا تھا۔روم فارسی اور ترکی زبانوں میں بازنطینی (Byzantine) سلطنت کا نام تھا۔روم کے ہم معنی الفاظ میں بلاد الرومان یا بازنطینیوں کی سرزمین شامل تھی۔وسطی ایشیا، میں روم کا لفظ سلطنتِ روما کے لیے استعمال ہوتا تھا۔لفظ روم زمانۂ قدیم ہی سے قدیم یونانیوں، مشرقی رومی سلطنت اور بازنطینی (Byzantine) سلطنت کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ (دائرہ معارف الاسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، ج-10، لاہور، پاکستان، 1973ء، ص:395)

روم کی وجہ تسمیہ کے متعلق رشید احمد نے اپنی معروف کتاب ''تاریخ مذاہب'' میں لکھا ہے کہ اس کے موسسوں میں ایک شخص رومولس تھا۔ جس کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا۔ یہ شہر آٹھویں صدی قبل مسیح میں آباد ہوا۔ (پروفیسر رشید احمد، تاریخ مذاہب، قلات پبلشرز، 2010، صفحہ 185)

بعض مؤرخین نے اہل روم کے آباؤ اجداد اور ان کی آبائی تاریخ پر بھی قلم اٹھایا ہے، مثلاً ابن کثیر (1301-1373ء) اپنی معروف کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں رقم طراز ہیں کہ اہلِ رُوم حضرت نوح کے بیٹے یافث Japheth) کی اولاد سے ہیں۔ نوح کے تین بیٹوں کی اولاد سے عرب، حبشہ اور رُوم آباد ہیں۔ (ابن کثیر، ابوالفدا، عماد الدین ابن کثیر دمشقی، البدایہ والنہایہ، (مترجم: پروفیسر کوکب شادانی)، مطبوعہ: نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان، 1987ء، جلد 1، صفحہ: 149-150)

امام ابوعیسیٰ ترمذی (825-892ء) کی ایک روایت کے مطابق بھی سام (Shem) بن نوح اہل عرب کے، حام (Ham) بن نوح اہل حبشہ کے اور یافث (Japheth) بن نوح رومیوں کے جد امجد تھے۔ (muhammadencyclopedia.com بحوالہ ترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی، حدیث 323، ج 5-، مطبوعۃ: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، 1395ھ، ص: 365) اہل رُوم کے نسب سے متعلق muhammadencyclopedia.com کا مصنف ابنِ خلدون (1332-1406) کی کتاب تاریخ ابن خلدون کے حوالہ سے لکھتا ہے:

یہ گروہ عالم کے مشہور ترین گروہوں میں سے ہے۔ بخیال ہروشیوش، غریقیوں کا دوسرا گروہ ہے اور یہ دونوں نسباً یونان میں جمع ہوتے ہیں اور بخیال بیہقی، یہ غریقیوں کا تیسرا گروہ ہے اور یہ تینوں نسباً یونان بن علجان بن یافث (Japheth) میں شریک ہیں اور رُوم کے نام سے یہ تمام گروہ موسوم ہوتے ہیں؛ کیونکہ ان میں رُومیوں ہی کی بڑی سلطنت ہوئی ہے۔ (muhammadencyclopedia.com)

متذکرہ تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ روم یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ اس حقیقت کے واشگاف ہوجانے کے بعد روم کے بعض دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ولادت رسول ﷺ کے وقت روم کی معاشرتی حیثیت

روم کی معاشرتی اور سماجی تاریخ وتہذیب اور ان کا معاشرتی فلسفہ وکردار پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ روم کے اندر سماجی اور معاشرتی سطح پر بہت ساری برائیاں اور سماجی ناہمواریاں پائی جاتی تھیں۔ عدل وانصاف کا فقدان، خواتین کے ساتھ زیادتی، غلاموں کے ساتھ ناروا سلوک، عیش و عشرت، باہمی عدم رواداری جیسے سیکڑوں معاشرتی مسائل سے اہلیان روم ہم کنار تھے۔ سماج میں

جب نفرت اور عدم تعاون یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو جاتا ہے تو اس سے سماج پوری طرح ٹوٹ کر رہ جاتا ہے، روم تو معاشرتی جرائم کا مرکز بن چکا تھا۔ روم کے معاشرتی احوال پر ڈاکٹر خالد علوی نے اپنی کتاب ''اسلام کا معاشرتی نظام'' میں فولیم ایڈورڈ ہارٹپول لیسکی کی کتاب "History of european morales" کے حوالہ سے بجا لکھا ہے اس کو یہاں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

* خاندان میں باپ کو مطلق اختیار حاصل تھا۔ اولاد کو صرف اتنی آزادی میسر تھی جتنی انھیں باپ عطا کرتا تھا حتی کہ چالیس سال کی عمر تک بھی بیٹے کو اختیار حاصل نہیں تھا۔

* قانون نے عورت کے شخصی استقلال کو تسلیم نہیں کیا تھا اس کی حیثیت ایک غلام کی تھی وہ باپ کی غلامی سے نکل کر خاوند کی غلامی میں آجاتیں۔ اس کے کوئی حقوق تھے نہ خاوند کے کوئی فرائض۔ باپ کو اختیار تھا کہ وہ بیٹی کی شادی جہاں چاہے کرے اور اگر اس کی مرضی نہ ہو تو عین شادی کی رسوم کے وقت اسے منسوخ کرسکتا تھا۔ خاوند کے اختیارات میں اتنی وسعت تھی وہ اپنی بیوی کو قتل بھی کرسکتا تھا۔ (ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل وناشران وتاجران کتب لاہور، 2009ء، صفحہ 47)

* جسٹنین کے عہد میں رومی قانون نے منظّم صورت اختیار کی؛ لیکن اس قانون نے بھی اشراف کے حقوق کا تحفظ کیا اور کمزوروں کی حمایت میں ناقص رہا۔

* غیر رومی عوام کے لیے معاشرت میں کوئی عزت کی جگہ نہ تھی۔ غیر رومی ماتحت علاقوں کی دولت سمٹ کر رومی معاشروں میں پہنچ جاتی؛ مگر غیر رومی لوگ ذلت وحقارت سے نوازے جاتے۔ یہودیوں مسیحیوں اور دیگر غیر رومی اقوام کے ساتھ یہی سلوک ہوتا؛ البتہ ان میں سے چند افراد کو سہولتیں دے کر انھیں ان پر مسلط کر دیا جاتا۔

* رومی معاشرت آزاد اور غلام کی تقسیم کا شکار تھی۔ جرائم اور سزاؤں میں اس تفریق کا خاص لحاظ تھا۔ آزاد کے جرم کی سزا کم اور غلام کی زیادہ تھی، اسی طرح اشراف اور رعایا کا معاملہ تھا۔

* حکومت اور قانون پر صرف چند افراد کا قبضہ تھا، باقی لوگ ان کے رحم وکرم پر ہوتے۔ رومی لشکر کی فتوحات مالِ غنیمت پر منتج ہوتیں اور وہ مال صرف چند افراد کی فلاح کے لیے استعمال ہوتا۔ دراصل یہ قانون یہ حکومت یہ نظام اور یہ اجتماعیت صرف اشراف کے لیے تھا، عوام کے لیے نہیں۔ جہاں تک دینی اور اخلاقی قدروں کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے رومی معاشرہ ہمیشہ انتشار کا شکار رہا۔ ایرانی فلسفہ مشرکانہ نظریات کا حامل تھا ہی یہودی اور مسیحی افکار نے اس معاشرے کے استحکام کو اور بھی شدید نقصان پہنچایا۔ کوئی مشترک نظریۂ حیات نہ تھا۔ مادی منفعتوں نے روحانی قدروں کو متزلزل

کردیا تھا اور برسر اقتدار طبقہ کی عیاشیوں نے دین پسندوں کے لیے ابتلاء کا سامان فراہم کیا تھا۔ مسیحی مبلغین کے ساتھ جو کچھ ہوا اور یہودیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ معاشرے کی تصویر ہے۔ (اسلام کا معاشرتی نظام، صفحہ 47-48)

اس کے باوجود روم، رومی قوم کو مہذب و متمدن تصور کیا جاتا تھا؛ مگر حقیقت یہ تھی کہ اخلاقی لحاظ سے رومیوں کی حالت کسی بھی طرح قابلِ رشک نہ تھی۔ برائی کی مذمت کرنے کے باوجود اس کو قبول کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے تھے، اسی لیے ایک طرف تو رقص کی مذمت کی جاتی تھی؛ لیکن دوسری جانب قسطنطنیہ میں رقص گاہیں اور ناچ گھر آباد کیے ہوئے تھے۔ قانونی طور پر ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر پابندی تھی؛ لیکن جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان بے لگام شہوت رانی کے ذریعے کردیا گیا تھا۔

رومی تہذیب وتمدن ظاہر پرستی سے مرعوب مادّہ پرستانہ نیم روحانی ونیم مادّی تہذیب تھی۔ رومی لوگوں کی توجہ دنیاوی امور پر زیادہ تھی۔ یہ لوگ سلطنت قائم کرنے اور نظم ونسق ٹھیک رکھنے کے ماہر تھے۔ ان کی ذہنی طاقت زیادہ تر قانون سازی اور تنظیمی ادارے بنانے میں ہی صرف ہوتی تھی۔ روم کے لوگ غالباً دنیا کی تاریخ میں واحد قوم ہیں جنہوں نے تن پروری اور عیش پرستی کو اصول کی حیثیت سے اپنایا ہوا تھا؛ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا الٹا رجحان بھی موجود تھا، یعنی نفس کشی۔ (محمد حسن عسکری، جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ کا خاکہ، عفت حسن راولپنڈی، پاکستان، 1979ء صفحہ 25-25)

معاشرتی سطح پر اگر تدبر کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ روم کے اندر جو سماجی طبقات واکائیاں تھیں ان کے باہمی مراسم وتعلقات بہت اچھے نہیں تھے۔ حتیٰ کہ باہمی عدم استحکام اور انتشار وافتراق پایا جاتا تھا اس حقیقت کا اعتراف رابرٹ ایف پینل (Rebort F pennl) نے اپنی معروف کتاب Ancient Rome: From the Earliest Times Down to 476 A.D میں کیا ہے۔ اس عبارت کو یہاں muhammadencyclopedia کے حوالے سے یہاں پیش کررہے ہیں۔

The Inhabitants of Rome were divided in to five classes:

Those who possessed both public and private rights as citizensi.e. Full Rights.(citizens of Rome).

Those who were subjects and did not possess full rights. (citizens of Municipa).

Those who were allies (socii).

Those who were slaves who possessed no rights.

Those who were resident foreigners who possessed the rights oftrading

(ملاحظہ کیجیے:encyclopediamuhammad)

معاشرتی تفریق وامتیاز اور باہمی ناہمواری کی مزید وضاحت اے مانفرید نے اپنی کتاب میں کیا ہے اس کتاب کا اردو ترجمہ امیر اللہ خاں نے ''مختصر تاریخِ عالم'' کے نام سے کیا ہے۔

''روم کے سماج میں بلند ترین امارت طبقہ امرا، کی یا مجلسِ اکابر کے اراکین کی تھی جن میں امرا، اور مال دار لوگوں کے خاندان شامل ہوتے تھے جنھوں نے ریاستی امور میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان خاندانوں کی دولت کا خاص وسیلہ ان کی زمینی جائیدادیں تھیں۔ اس امارت کے نمائندے اکثر اعلیٰ ترین عہدوں پر پہنچتے تھے اور وہ مجلسِ اکابر کے بھی رکن تھے۔ دوسری سب سے اہم امارت وہ تھی جو سوار کہلاتی تھی۔ یہ ماضی کی یادگار تھی اور اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے اس کا اطلاق روم کی تاریخ میں ان مالدار شہریوں پر ہونے لگا تھا جو امرا، کے خاندان سے تعلق نہ رکھتے تھے، تاجر تھے یا پھر ساہوکار، آخر میں باقی آبادی تھی جس کے افراد پہلے ہی سے پلیبیئن کہلاتے تھے۔ دیہات میں پلیبیئن سے مراد کسان ہوتے تھے اور شہروں میں دستکار، چھوٹے تاجر، استاد دستکار اور دکاندار سب اسی طبقہ میں شامل تھے''۔ (اے مانفرید، مختصر تاریخ عالم، (مترجم: امیر اللہ خاں) دارالاشاعت ترقی ماسکو روس، 1979، جلد اول، صفحہ 128-129)

رومی معاشرے میں عورت کا تصور

عورت کو جو مقام و مرتبہ اور جو عظمت و وقار اسلام نے عطا کیا ہے وہ وقار واحترام آج تک دنیا کی کوئی تہذیب وتمدن اور دین و مذہب نہ دے سکا ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں ہے؛ بلکہ حقائق وشواہد اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ عورت کی حیثیت کو جس طرح اسلام نے باوقار بنایا ہے اس کی شہادت بھی کئی مغربی مفکرین و مصنّفین اور دانشوروں نے دی ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے؛ چنانچہ اس تناظر میں جب روم کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہاں عورت کی حیثیت وشخصیت نہ صرف مجروح تھی؛ بلکہ اس کے ساتھ سلوک ورویہ بھی غیر مہذب اختیار کیا جاتا تھا۔ اس حقیقت کا اعتراف کئی مصنّفین نے کیا ہے اور باضابطہ روم میں عورت کی جو دبی کچلی حیثیت تھی اس پر تحریری ثبوت بھی موجود ہیں۔ اس بابت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ''پردہ'' فولیم

ایڈورڈ ہارٹپول لیسکی کی کتاب ’’تاریخ اخلاق یورپ‘‘ اور ڈاکٹر خالد علوی کی کتاب ’’اسلام کا معاشرتی نظام‘‘ اور معروف مفکر سید امیر کی کتاب Spirit of Islam کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر خالدعلوی تحریر کرتے ہیں:

’’رومیوں کے یہاں بھی وحشت وتاریکی سے بھرپور تمدنی عروج کی ویسی ہی تاریخ ہے جیسے یونانیوں کی تھی۔ ابتدا میں ان کے ہاں نظام معاشرت میں مرد خاندان کا سردار ہوتا تھا اور اسے اپنے خاندان پر مکمل اختیار تھا حتی کہ بعض اوقات وہ بیوی کو قتل بھی کرسکتا تھا۔ ان کے یہاں تمدنی عروج کے زمانے میں ایک حدتک خاندانی نظام برقرار رہا، عورت خاندانی نظام میں محصور تھی، عورت کی عصمت و عفت قابلِ احترام قدر متصور ہوتی اور اسے معیار شرافت خیال کیا جاتا۔ عورت اور مرد کے تعلق کی جائز اور شریفانہ صورت نکاح کے سوا کوئی دوسری نہ تھی۔ ایک عورت اسی وقت عزت کی مستحق ہوسکتی تھی؛ جب کہ وہ ایک خاندان کی ماں ہو۔ بیسوا طبقہ اگرچہ موجود تھا اور مردوں کو ایک حدتک اس طبقے سے ربط رکھنے کی آزادی بھی تھی؛ مگر عام آدمیوں کی نگاہ میں اس کی حیثیت نہایت ذلیل تھی اور اس سے تعلق رکھنے والے مردوں کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔

تمدنی ترقی کے ساتھ آہستہ آہستہ رومیوں میں تبدیلی آنی شروع ہوئی، اخلاق ومعاشرت کی پابندیاں کمزور ہونے لگیں تو عورت کے بارے میں بھی اہلِ روم کا نظریہ بدلتا گیا۔ نکاح وطلاق کے قوانین بدلے اور خاندانی نظام کی حیثیت میں تغیر آیا کہ نکاح محض قانونی معاہدہ (Civil Contract) بن کررہ گیا جس کی بقا کا دارومدار فریقین کی رضامندی پر تھا۔ اس دور میں عورت اور مرد کے غیر نکاحی تعلق کو بھی گوارا کرلیا گیا اور بڑے بڑے معلّمین اخلاق بھی زنا کو معمولی چیز سمجھنے لگے۔ یونان کی طرح روم میں شہوانیت، عریانی اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ تھیٹروں میں بے حیائی وعریانی کے مظاہرے ہونے لگے، ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہرگھر کی زینت کے لیے ضروری ہونے لگیں۔ قحبہ گری کے کاروبار کو فروغ ہوا حتی کہ قیصر ٹائبر ٹائبریس 14 تا 37 عیسوی کے عہد میں معزز خاندانوں کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لیے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ فلورا نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا؛ کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ عورتوں اور مردوں کے برسرِعام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی اسی دور میں عام ہوا لیسکی رومی عورت کے بارے میں مزید لکھتا ہے:

’’عورت کا مرتبہ رومی قانون نے عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، افسرِ خاندان؛ جو باپ ہوتا یا

شوہر اسے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے؛ بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی توڑ سکتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کو منتقل ہوگیا اور اس کے اختیارات اتنے وسیع ہوگئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کرسکتا تھا''۔ (اسلام کا معاشرتی نظام، صفحہ 463-464)

متذکرہ اقتباس سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے کہ روم میں عورت کی حیثیت اور اس کی عزت و ناموس بالکل بھی محفوظ و مامون نہیں تھی۔ زیادتی اور عصمت وعفت اور اس کی طہارت و پاکیزگی کو پوری طرح اور کھلے عام داغدار کیا جاتا رہا؛ مگر بعثتِ نبوی کے بعد اسلامی تعلیمات نے عالمی سطح پر عورت کی حیثیت کو تسلیم کرایا اور اسے عزت واحترام کی دولت سے مالا مال کیا۔

شادی بیاہ کی رسومات

اپنے سیاسی، سماجی اور معاشرتی فوائد کی بنیاد پر کرتے تھے اس کے علاوہ جو طریقہ اختیار کیا جاتا تھا وہ یقینی طور پر غیر مہذب اور نہایت مہلک تھا۔

اس کے متعلق Norman Bancroft Hunt نے اپنی کتاب Living in Ancient Rome میں اس طرح لکھا ہے۔

Marriages are usually arranged between families for business, political, or social reasons—the feelings of the young couple for each other are rarely taken into account. Although in theory the wife is subject to her husband's will, in practice Roman matrons exercise great influence over the household and have their say over a child's future spouse. Girls may be betrothed at birth and allowed to marry at the age of 12, but most wait until they are 14.

(Norman Bancroft Hunt (2009), Living in Ancient Rome, Chelsea House, New York, USA, Pg. 17)

یہ وہ رذیل حرکات تھیں جو اہل روم میں عام تھیں نہ تو یہ حرکت کرنے والا کوئی قباحت محسوس کرتا تھا اور نہ ہی ان کا معاشرہ اس کو برا سمجھتا تھا اور اس طرح ہر عورت کئی مردوں کے ساتھ اور ہر مرد کئی عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات بھی قائم کرلیتا تھا۔

(باقی آئندہ)

مصنوعی ذہانت بطورِ مصنف؟

تحریر و تخریج: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

مصنف عمومی طور پر ایک تخلیقی شخصیت کا حامل ہوتا ہے اور وہ اپنے خیالات و تفکرات کو عمدہ پیرائے میں قلمبند کرنے کا ہنر جانتا ہے۔ مصنف اور مؤلف میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ مصنف اپنی بات کو خالصتاً اپنی ذاتی لیاقت اور استعداد سے تحریر کرتا ہے؛ جب کہ مؤلف مختلف مصنّفین کی تحریروں کو کسی خاص عنوان کے تحت یکجا کرتا ہے۔ گو کہ تصنیف و تالیف، دونوں ہی کے لیے لیاقت، استعداد، ہنر، اور علمی پختگی درکار ہوتی ہے؛ مگر تصنیف کا کام قدرے مشکل تصور کیا جاتا ہے۔ مصنّفین اپنے ذوق کی بنیاد پر ناول، افسانے، اشعار، سفرنامے، مکتوبات، تدریسی کُتب، تحقیقی کُتب، سوانح، اور ڈرامے وغیرہ لکھتے ہیں۔ بعض مصنّفین تکنیکی نوعیت کے مضامین تحریر کرتے ہیں؛ جب کہ کچھ مصنّفین اپنی تصنیف میں تحقیقی اُسلوب اختیار کرتے ہیں؛ تاکہ صحیح معلومات اور حقائق پڑھنے والوں تک پہنچ سکیں۔

کمپیوٹر سائنس کے شعبے میں ترقی نے تصنیف و تالیف پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ تاریخی طور پر کمپیوٹر کو تصنیف و تالیف سے جڑے مختلف کاموں میں استعمال کیا جاتا رہا ہے مثلاً ابتدائی ادوار میں مصنّفین اپنی تحریر کو کمپیوٹر پر کمپوز کر کے اشاعت کے لیے تیار کرتے تھے۔ پھر کمپیوٹر سائنس میں مزید ترقی ہونے کی وجہ سے کمپیوٹر سافٹ ویئر املا اور ہجے کی غلطیوں کی نشاندہی با آسانی کر دیتا تھا؛ مگر اب کمپیوٹر سائنس کے شعبے مصنوعی ذہانت میں اتنی زیادہ ترقی ہوگئی ہے کہ ان سافٹ ویئر کی مدد سے تصنیف و تالیف کے کئی کام آسانی سے انجام پا جاتے ہیں۔

اس وقت مصنوعی ذہانت کے بہت سارے ٹولز Tools ایپلی کیشن یا پروگرامز میسر ہیں، ان میں مشہور اوپن اے آئی Open AI کا چیٹ جی پی ٹی Chat GPT، مائیکروسافٹ کا کو پائلٹ Co-Pilot، کریکٹر آے آئی Character AI، کلوڈ Claude AI، پرپلیکسٹی Perplexity AI،

اور گوگل کا جیمنائی Gemini مشہور ہیں۔ یہ سارے ٹولز دراصل چیٹ بوٹ ہیں۔ چیٹ بوٹوہ کمپیوٹر پروگرام یا سافٹ ویئر یا اپلی کیشن ہوتی ہیں جو کہ انسانی طرز پر بات چیت کر سکتے ہیں اور یہ جنریٹو اے آئی GenerativeAI کو استعمال کرتے ہیں۔ مصنوعی ذہانت کے ان تمام اپلی کیشنز سے تصنیف و تالیف کا کام بھی لیا جارہا ہے۔ مصنوعی ذہانت کے ان سافٹ وئیر کی خاص بات یہ ہے کہ یہ ایسی عمدہ تحریر لکھنے لگ گئے ہیں کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اگر کوئی ان سے پوچھے تو ایک ہی بات کو مختلف اُسلوب اور زبانوں میں پیش کر سکتے ہیں۔ نتیجتاً ایک عام شخص ایک انسان کی لکھی ہوئی تحریر اور کمپیوٹر (مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر مثلاً چیٹ جی پی ٹی وغیرہ) سے لکھی ہوئی تحریر میں آسانی سے فرق نہیں کرسکتا۔ مصنوعی ذہانت کے ان پروگرامز کو اگر کسی خاص مصنف کے اُسلوبِ تحریر پر ٹریننگ دی جائے تو یہ اُس مصنف کے اُسلوبِ تحریر کو اختیار کرتے ہوئے نئے مضامین تحریر کردیتا ہے۔ پھر جب اس مصنف کی اصل تحریر اور نئی تحریر کا تقابل کیا جائے تو عام قاری ان دونوں تحریروں میں فرق نہ کر سکے گا؛ البتہ اگر باریک بینی سے ان دونوں تحریروں کا تجزیہ کیا جائے اور مصنف کے اُسلوب کے امتیازی خصائص کو باریک بینی سے دیکھا جائے تب کہیں جا کر فرق سامنے آئے گا۔

غرض، مصنوعی ذہانت میں اسی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے مصنوعی ذہانت کو بطور مصنف بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ اس سے ایک طرف تو تصنیف و تالیف کے کاموں میں معاونت ملی ہے؛ مگر دوسری طرف مصنوعی ذہانت کی اسی صلاحیت کی وجہ سے کئی چیلنجز بھی اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ مثلاً یونیورسٹیوں میں جب طلبائے کرام کو کسی موضوع پر مضمون تحریر کرنے کو دیا جاتا ہے؛ تا کہ اُن کی تحریری، تحقیقی و تجزیاتی صلاحیتوں کو نکھارا جائے تو بعض طلبہ ان مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر کا استعمال کر کے وہ مضمون تیار کر لیتے ہیں۔ اس سے جہاں جائزہ کے امتحان میں دشواری پیش آتی ہیں، امتحان کا مقصد فوت ہوتا ہے، وہیں طلبائے کرام میں سستی، کاہلی، اور کام چوری کا رواج عام ہو رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر سے کوئی تحریر لکھوانا درست ہے؟ اور کس حد تک مصنوعی ذہانت کو تصنیف و تالیف کے کاموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟ نیز کیا کُلّی طور پر مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیرز کو بطور مصنف عالمی سائنسی تحقیقی دنیا، سائنسی اشاعتی اداروں اور مختلف یونیورسٹیوں میں تسلیم کیا جاتا ہے؟ نیز مصنوعی ذہانت سے جڑے تصنیف و تالیف کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے عالمی سطح پر کیا پیشرفت ہوئی ہے؟

آسان الفاظ میں اگر کوئی سائنسدان اور محقق مصنوعی ذہانت سے کوئی تحریر لکھوائے تو کیا وہ مصنوعی ذہانت کو بطور ساتھی مصنف شامل کرسکتا ہے؟ بعض مرتبہ کسی کتاب کے دو یا تین مصنّفین ہوتے ہیں یا بعض مرتبہ کسی سائنسی تحقیقی مقالے میں کئی سائنسدان ساتھی مصنف ہونے کی حیثیت سے شامل ہوتے ہیں تو کیا اگر کوئی مصنوعی ذہانت سے تجربہ کروائے، تجزیہ کروائے، تحریر لکھوائے تو کیا اسے یعنی مصنوعی ذہانت (مشین) کو بھی بطور ساتھی مصنف تسلیم کیا جائے گا؟ ان تمام سوالات کا جواب ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

مشہور سائنسی پبلشر میں سے ایک ایل زے ویئر Elsevier ہے جو کہ دو ہزار نو سو سے زائد سائنسی جرائد شائع کرتا ہے اور ان سائنسی جرائد میں دنیا کے بہترین سائنسی جرائد بھی شامل ہیں جو کہ مختلف سائنسی شعبوں سے متعلق ہیں۔ اگر کمپیوٹر سائنس اور مصنوعی ذہانت کے سائنسی جرائد کی بات کی جائے تو یہ پبلشر دنیا کے کئی بہترین سائنسی جرائد شائع کرتا ہے جن میں کمپیوٹر نیٹ ورکس Elsevier Computer Networks، کمپیوٹر کمیونیکیشن Elsevier Computer Communications وغیرہ شامل ہیں۔ ایل زے ویئر مصنوعی ذہانت کو بطور مصنف استعمال کرنے سے متعلق پالیسی جاری کرچکی ہے۔ اس پالیسی میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ سائنسدان، محققین، اور مصنّفین کس حد تک مصنوعی ذہانت کو اپنی تحریروں، مقالوں، اور تحقیق میں استعمال کرسکتے ہیں۔

"Where authors use generative AI and AI-assisted technologies in the writing process, these technologies should only be used to improve readability and language of the work and not to replace key authoring tasks such as producing scientific, pedagogic, or medical insights, drawing scientific conclusions, or providing clinical recommendations. Applying the technology should be done with human oversight and control and all work should be reviewed and edited carefully, because AI can generate authoritative-sounding output that can be incorrect, incomplete, or biased. The authors are ultimately responsible and accountable for the contents of the work."(1)

"جب مصنف مصنوعی ذہانت کو اور بالخصوص جنریٹیو مصنوعی ذہانت کو تحریر لکھنے میں استعمال

کریں تو ان ٹیکنالوجیز کو صرف تحریر کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے؛ تاکہ اس تحریر کو پڑھنا آسان ہوجائے، نہ کہ تصنیف کے بنیادی کاموں کو ہی اس سے متبادل کے طور پر کروایا جائے، مثلاً سائنسی وتدریسی مواد تحریر کروانا، طبی سفارشات، سائنسی نتائج اخذ کرنا، یا کلینکل تجاویز دینا شامل ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کا اطلاق انسانی نگرانی اور کنٹرول کے ساتھ کیا جانا چاہیے اور تمام کام کا بغور جائزہ اور ترمیم کی جانی چاہیے؛ کیونکہ مصنوعی ذہانت ایسا مواد تیار کرسکتی ہے جو کہ مستند لگتا ہو جو کہ غلط، نامکمل اور متعصب ہو۔ مصنّفین بالآخر کام کے مندرجات کے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں۔''

“Authors should disclose in their manuscript the use of generative AI and AI-assisted technologies and a statement will appear in the published work.”

''مصنف کو واضح طور پر اپنے مقالوں میں یہ تحریر کرنا ہوگا کہ کس حد تک انھوں نے جنریٹیو مصنوعی ذہانت کو استعمال کیا اور شائع شدہ مقالوں میں یہ تحریر شامل ہوگی۔''

“Elsevier does not permit the use of generative AI or AI-assisted tools to create or alter images in submitted manuscripts.”

''ایل زے وئیر پبلشر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ان کے سائنسی جرائد میں جمع کیے گئے مقالوں میں مصنوعی ذہانت کے ذریعے یا جنریٹیو مصنوعی ذہانت کے ذریعے تصاویر بنائی جائیں یا انھیں تبدیل کیا جائے۔''

“Authors should not list generative AI and AI-assisted technologies as an author or co-author, nor cite AI as an author. Authorship implies responsibilities and tasks that can only be attributed to and performed by humans. Each (co-) author is accountable for ensuring that questions related to the accuracy or integrity of any part of the work are appropriately investigated and resolved and authorship requires the ability to approve the final version of the work and agree to its submission. Authors are also responsible for ensuring that the work is original.”

''مصنّفین کو 'جنریٹیو مصنوعی ذہانت' کا یا 'متعلقہ مصنوعی ذہانت' کی ٹیکنالوجیز کو 'مصنف' یا 'ساتھی مصنف' نہیں بنانا چاہیے اور نہ ہی مصنوعی ذہانت کا بطور مصنف حوالہ دینا چاہیے۔ مصنف بننا ایک ذمہ داری کا کام ہے اور تصنیف کا کام صرف انسانوں سے منسوب کیا جاسکتا ہے اور انسان ہی

اسے انجام دے سکتے ہیں۔کوئی بھی مصنف یا اس کا ساتھی مصنف اس بات کا جوابدہ ہوتا ہے کہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ درست ہے اور مناسب طور پر ان سوالات کی تحقیق کی گئی ہے۔ نیز مصنف ہونے کے لیے یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ جو آخری مسودہ ہو وہ مصنف منظور کرے۔ مصنف اس بات کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں کہ جو کام تحریر کیا گیا ہو وہ اصلی ہے۔''

کمیٹی آن پبلی کیشن اتھکس یعنی کوپ Committee on Publication Ethics (COPE) نے درجِ ذیل واضح موقف اختیار کیا ہے۔

“The use of artificial intelligence (AI) tools such as ChatGPT or Large Language Models in research publications is expanding rapidly. COPE joins organisations, such as WAME and the JAMA Network among others, to state that AI tools cannot be listed as an author of a paper.

AI tools cannot meet the requirements for authorship as they cannot take responsibility for the submitted work. As non-legal entities, they cannot assert the presence or absence of conflicts of interest nor manage copyright and license agreements.

Authors who use AI tools in the writing of a manuscript, production of images or graphical elements of the paper, or in the collection and analysis of data, must be transparent in disclosing in the Materials and Methods (or similar section) of the paper how the AI tool was used and which tool was used. Authors are fully responsible for the content of their manuscript, even those parts produced by an AI tool, and are thus liable for any breach of publication ethics.”(2)

''تحقیقی اشاعتوں (مقالوں) میں مصنوعی ذہانت کے آلات مثلاً چیٹ جی پی ٹی یا لارج لینگو یج ماڈلز کا استعمال تیزی سے پھیل رہا ہے۔کوپ، ڈبلو اے ایم ای اور جاما نیٹ ورک جیسے تنظیموں کے ساتھ شامل ہوتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ مصنوعی ذہانت کے آلات کو بطور مصنف کسی مقالے کے طور پر درج نہیں کیا جاسکتا۔

مصنوعی ذہانت کے ٹولز مصنف ہونے کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتے؛ کیونکہ وہ جمع کرائے گئے کام کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ بطور نان لیگل اداروں کے طور پر، وہ مفادات کے تصادم کی موجودگی یا عدم موجودگی پر زور نہیں دے سکتے اور نہ ہی کاپی رائٹ اور لائسنس کے معاہدوں کا نظم ونسق کر سکتے ہیں۔

مصنّفین جو مصنوعی ذہانت کے آلات تحریر لکھنے، تصویر بنانے، یا ڈیٹا کو اکھٹا کرنے اور تجزیہ کرنے میں استعمال کرتے ہیں، انھیں بالکل شفاف طریقے سے میٹریل اور میتھڈ سیکشن میں بتانا چاہیے کہ کیسے مصنوعی ذہانت کے آلات کو استعمال کیا گیا اور کون سا آلہ استعمال کیا گیا۔ مصنّفین مکمل طور پر اپنے لکھی گئی تحریر کے ذمہ دار ہیں، حتی کہ ان حصوں کے بھی جو مصنوعی ذہانت کی مدد سے تحریر کیے گئے، اور اشاعت کی اخلاقیات کی کسی بھی خلاف ورزی کے ذمہ دار ہیں۔"

ورلڈ ایسوسی ایشن آف میڈیکل ایڈیٹرز (ویمی) World Association of Medical Editors (WAME)، جس کے ممبران ایک ہزار سے زائد میڈیکل سائنسی جریدوں اور بانوے ممالک سے تعلق رکھتے ہیں) نے مصنوعی ذہانت، چیٹ بوٹ اور جنریٹیو آے آئی سے متعلق اپنی سفارشات پیش کی ہیں، جن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔[3]

"WAME Recommendation 1: Chatbots cannot be authors.

WAME Recommendation 2: Authors should be transparent when chatbots are used and provide information about how they were used.

WAME Recommendation 3: Authors are responsible for material provided by a chatbot in their paper (including the accuracy of what is presented and the absence of plagiarism) and for appropriate attribution of all sources (including original sources for material generated by the chatbot)."

"سفارش نمبر اول: چیٹ بوٹ مصنف نہیں ہو سکتے۔

سفارش نمبر دوم: مصنّفین کو شفاف ہونا چاہیے کہ کب چیٹ بوٹ کا استعمال کیا گیا اور ان کے استعمال کے بارے میں معلومات فراہم کرنا چاہیے۔

سفارش نمبر سوم: مصنّفین اپنے مقالوں میں چیٹ بوٹ کی طرف سے مہیا کیے گئے مواد کے ذمہ دار ہیں (بشمول پیش کیے گئے مواد کی درستگی اور سرقہ کی عدم موجودگی کے) اور تمام ذرائع (مآخذ) کے مناسب حوالے مہیا کرنے کے (بشمول چیٹ بوٹ کے ذریعے تیار کردہ مواد کے اصل ذرائع یعنی حوالہ جات)۔''

اسی طریقے سے ایک سائنسی تحقیق[4] میں یہ واضح بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح غیر انسانی مصنّفین کے اثرات سائنسی سالمیت پر اور طبی علوم پر پڑتے ہیں۔ نیز، نیچر پبلشر، جو کہ سائنسی دنیا میں نہایت معیاری سائنسی پبلشر شمار ہوتا ہے، جس کے کئی سائنسی جریدے دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں شمار ہوتے ہیں اور اس کا ایک سائنسی جریدہ نیچر ایسی سائنسی تحقیق شائع کرتا رہا ہے جس کی بنیاد پر بیسیوں نوبل پرائز پچھلی ایک صدی میں سائنسدانوں اور محققین کو دیئے گئے ہیں، بالکل واضح موقف اختیار کرتا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کو بطور مصنف قبول نہیں کیا جاسکتا۔ نیچر پبلشر تحریر کرتا ہے کہ

"Large Language Models (LLMs), such as ChatGPT, do not currently satisfy our authorship criteria. Notably an attribution of authorship carries with it accountability for the work, which cannot be effectively applied to LLMs. Use of an LLM should be properly documented in the Methods section (and if a Methods section is not available, in a suitable alternative part) of the manuscript."[5,6]

''لارج لینگویج ماڈلز، مثلاً چیٹ جی پی ٹی، فی الحال ہمارے مصنف کے معیار پر پورا نہیں اترتے۔ خاص طور پر مصنف ہونے کے طور پر کریڈٹ دیئے گئے کام کے لیے جوابدہی مانگتا ہے، جو کہ موثر طریقے سے لارج لینگویج ماڈلز پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ ایل ایل ایم کے استعمال کو مناسب طریقے سے مقالے کے میتھڈ سیکشن (اور اگر میتھڈ سیکشن دستیاب نہیں ہے تو کسی مناسب متبادل حصے میں) میں دستاویز کیا جانا چاہیے۔''

"Authors are allowed to use generative AI tools such as Large Language Models (LLMs) to assist in writing or research. However, authors must take full responsibility for all content in their paper, including any content generated by AI tools that might be construed as plagiarism or scientific misconduct. We encourage authors to explain any notable ways in which these

tools were used in their research methodology. LLMs are not eligible for authorship."[7]

''انٹرنیشنل کانفرنس ان مشین لرننگ (آئی سی ایم ایل) دنیا کی بہترین کانفرنسوں میں شمار ہوتی ہے اور اس کو اے اسٹار (یعنی سب سے اعلیٰ درجے کی کانفرنس - آسٹریلیا کی کور رینکنگ کے مطابق) کہا جاتا ہے۔ اگرچہ انہوں نے مصنوعی ذہانت کے آلات کو سائنسی تحقیق کے تحریر کرنے میں استعمال کرنے کی اجازت دی ہے؛ مگر وہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ مصنّفین تمام تر مواد کے خودکلی طور پر ذمہ دار ہوں گے، بشمول ایسا مواد جس کو مصنوعی ذہانت کے آلات سے بنایا گیا ہے، جسے سرقہ یا سائنسی اکیڈمک مس کنڈکٹ کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

ایسوسی ایشن فار کمپیوٹنگ مشینری (اے سی ایم) Association for Computing Machinery (ACM) دنیا کی سب سے بڑی سائنسی وتدریسی کمپیوٹر سوسائٹی ہے۔ اے سی ایم پچاس سے زائد کمپیوٹر سائنسی کے سائنسی جریدے شائع کرتی ہے جن میں دنیا کے بہترین سائنسی جرائد بھی شامل ہیں۔ انھیں سائنسی جرائد میں سے ایک اے سی ایم/آئی ای ای ای ٹرانزیکشن آف نیٹ ورکنگ بھی شامل ہے جو کہ کمپیوٹر سائنس کا ایک نہایت اعلیٰ معیار کا عالمی سائنسی جریدہ ہے۔ ٹیورنگ ایوارڈ، جسے کمپیوٹر سائنس کا نوبل پرائز بھی کہا جاتا ہے، یہ بھی ہر سال اے سی ایم ہی دیتی ہے جس کی مالیت ایک ملین امریکی ڈالر، تقریباً ستائیس کڑور پاکستانی روپے، کے برابر ہوتی ہے۔ اے سی ایم کی واضح پالیسی ہے کہ کوئی بھی جنریٹیو مصنوعی ذہانت کے ٹولز (آلات وسافٹ وئیر) کو بطور مصنف کسی بھی صورت شامل نہیں کیا جاسکتا۔ نیز، اے سی ایم واضح طور پر کہتی ہے کہ اے سی ایم کے سائنسی جرائد میں مقالے جمع کروانے والے ''قابلِ شناخت انسان ہونے چاہئیں''، ''جنہوں نے سائنسی تحقیقی مقالے میں خاطر خواہ کام انجام دیا ہو''، اور ''جو کہ شائع شدہ سائنسی تحقیقی مقالے میں شائع شدہ مواد کی مکمل ذمہ داری لیتے ہوں۔''

"Can a generative AI tool be listed as an author?
No, generative AI software tools cannot be listed as authors on ACM Works under any conditions."[8]

"Anyone listed as author on an ACM submission must meet all the following criteria:

They are an identifiable human being. Anonymous authorship is not permitted, although pseudonyms and/or pen names are

permitted provided accurate contact information is given to ACM. ACM does not currently permit collective authorship.

They have made substantial intellectual contributions to some components of the original Work described in the manuscript, such as contributing to the conception, design, and analysis of the study reported on in the Work and participating in the drafting and/or revision of the manuscript.

They take full responsibility for all content in the published Works"(9).

ان تمام مستند حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا کے مستند اور بڑے سائنسی تحقیقی ادارے، یونیورسٹیاں، کمپیوٹر سائنس کی تدریسی و تحقیقی سوسائٹیز، معیاری سائنسی پبلشرز، معیاری کانفرنس، کمیٹی آن پبلی کیشن اتھکس یعنی کوپ، ورلڈ ایسوسی ایشن آف میڈیکل ایڈیٹرز (ویمی)، اور دیگر عالمی معیار کے معتبر اور مصنوعی ذہانت کے ماہرینِ فن، سائنسدان و محققین بالاتفاق مصنوعی ذہانت کو بطور مصنف تسلیم نہیں کرتے اور مصنوعی ذہانت، جنریٹیو اے آئی، چیٹ باٹس، اور دیگر سافٹ ویئرز کے بطور مصنف تحقیقی مقالوں میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیتے اور اس کے لیے پالیسیاں مرتب اور نافذ کرچکے ہیں۔

مدارسِ دینیہ، تصنیف وتالیف اور مصنوعی ذہانت

مدارسِ دینیہ کے اندر طلبہ میں علمی رُسوخ پیدا کیا جاتا ہے۔ ان مدارسِ دینیہ سے ایسے ایسے نامور علمائے کرام پیدا ہوئے ہیں جن کی اسلامی علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی، عالم باعمل تھے اور انھوں نے مختلف دینی علوم میں گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں۔ علم تفسیر ہو یا علم فقہ، علم اصول حدیث ہو یا علم اسماء الرجال، علم صرف ہو یا علم اصول فقہ، علم بلاغت ہو یا علم کلام، فلسفہ ہو یا علم طریقت؛ غرض ان علوم میں مدارسِ دینیہ کے اساتذۂ کرام طلبہ میں ٹھوس علمی استعداد پیدا کرتے ہیں۔ نیز مدارسِ دینیہ علوم ومعارف کے ایستادہ مینار ہیں، تقویٰ کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور یہیں سے امتِ مسلمہ کو قرآن و سنت کی صحیح تشریح ملتی ہے۔ ان مدارس سے حفاظِ کرام، شیخ الحدیث، قاری، مفتی، عالم، فقیہ، مفسر، مبلغ، مناظر، عربی علوم کے ماہر، مصنف، اور دینی علوم کو اپنی اصلی حالت میں اگلی نسل تک پہنچانے والے رجال اللہ پیدا ہوتے ہیں۔ انھیں مدارس سے ہمیں عربی اور اردو ادب کو فروغ دینے والے بے نظیر علمائے کرام بھی نظر آتے ہیں، انھیں میں تاریخ دان بھی ہیں اور صرف ونحو کے ماہر بھی اور انھیں مدارس

سے وہ علمائے کرام بھی تیار ہوتے ہیں جو کہ ہرمحاذ پر باطل قوتوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور امتِ مسلمہ کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت میں بھی کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

ان مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام سے متعلق عوام الناس میں یہ عمومی تاثر ہے کہ یہاں کے طلبائے کرام عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور تقریباً مدارسِ دینیہ کے تمام طلبائے کرام کا مقصد اللہ کی رضا، حُسنِ نیت، حُسن عمل، حُب جاہ وحُب مال سے پرہیز، زہد وقناعت، محنتی اور فعال ہونا اور علومِ دینیہ کا حصول ہوتا ہے۔ نیز مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ میں پائے جانے والی برائیوں سے دور ہوتے ہیں جن میں نقل کرکے امتحانات میں پاس ہونا، اعلیٰ عہدوں اور پیسوں کے حصول کے لیے ڈگریاں حاصل کرنا وغیرہ شامل ہے، الاّ ماشاء اللہ۔

تشویش کی بات یہ ہے کہ حال ہی میں کچھ صاحبانِ علم ایک نئی فکر اور سوچ لے کر چلے ہیں کہ مدارسِ دینیہ کے طلبہ کو مختلف ہنر بھی سکھائے جائیں جن میں مصنوعی ذہانت بطورخاص قابلِ ذکر ہے۔ بلاسوچے سمجھے مصنوعی ذہانت کو مدارسِ دینیہ میں فروغ دینا، طلبہ کو اس سے دینی علوم میں رہنمائی لینے کے لیے استفادہ کرنے کی اجازت دینے سے تعلیمی وتدریسی طور پر کئی مفاسد جنم لے رہے ہیں اور خدانخواستہ مزید مسائل جنم لیں گے۔ لہٰذا ضروری ہے پہلے مصنوعی ذہانت کے استعمال کی حدود متعین کرلی جائے، اصول وضع کرلیے جائیں، اور اس بات کا تعین کرلیا جائے کہ کن کن اُمور میں مصنوعی ذہانت کو استعمال کرنے سے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں اور کن اُمور میں مصنوعی ذہانت کو استعمال کرنے سے طلبہ اور اساتذہ کی کارکردگی پر منفی اثر پڑے گا؛ تاکہ اس ٹیکنالوجی کے استعمال سے جو فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ کہیں الٹا نقصان دہ ثابت نہ ہوں۔

اس تناظر میں بعض صاحبانِ علم کی جانب سے مصنوعی ذہانت کو مدارسِ دینیہ میں استعمال کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ بھرے مجمع میں کھلے عام مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام اور علمائے کرام کو مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر استعمال کرکے تصنیف وتالیف کے مختلف کام انجام دینے کی باقاعدہ تربیتی نشست اور مشق کروائی جارہی ہے اور یہ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ انجام دیا جارہا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے ماہرینِ فن حیران وپریشان ہیں کہ ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟ کبھی اردو میں چیٹ جی پی ٹی سے مضمون لکھوایا جارہا ہے تو کبھی خلاصہ، کبھی جمعہ کا خطبہ لکھوایا جارہا ہے تو کبھی احادیث کی تخریج، کبھی قرآن پاک کا ترجمہ پوچھا جارہا ہے تو کبھی تفسیر، کبھی تعلیمی نفسیات کے بارے میں اس سے سوالات

ہو رہے ہیں تو کبھی تعلیمی اُسلوب پر، کبھی مصنوعی ذہانت کو استعمال کر کے اساتذہ کے لیے کثیر الانتخابی سوالات تیار کروائے جا رہے ہیں تو کبھی امتحانی پرچہ، کبھی اسباق بنوائے جا رہے ہیں تو کبھی کسی موضوع کو آسان الفاظ میں طلبہ کو سمجھانے کے لیے مثالیں پوچھی جا رہی ہیں۔ غرض طلبائے کرام ہوں یا مدرسین، بعض صاحبانِ علم کی جانب سے دونوں ہی طبقوں کو مصنوعی ذہانت کے ذریعے تصنیفی و تالیفی کاموں کو کروانے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اور مصنوعی ذہانت کو مدارسِ دینیہ میں اس عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے کہ اس سے مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام کی تعلیمی و تحقیقی استعداد مزید پروان چڑھے گی، اس سے اُن میں تحقیق و جستجو کا شوق مزید بڑھے گا، اس سے دنیا بھر کے علوم سے اُن کو استفادہ کرنے کے مزید مواقع میسر آئیں گے اور نتیجتاً وہ مصنوعی ذہانت کو استعمال کر کے مزید مؤثر انداز میں اسلام کی خدمت کر سکیں گے۔

علمائے کرام کے مطابق مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر یا ایپلی کیشن مثلاً چیٹ جی پی ٹی، جیمنائی یا کو پائلٹ وغیرہ سے تصنیف و تالیف کے کام لینا اور اسے اپنی تحریر بنا کر پیش کرنا، دینی مسائل، بالخصوص ''علم الفقہ'' کے انتہائی پیچیدہ اور سنجیدہ مسائل معلوم کرنا، قرآنِ پاک کی تفسیر و ترجمہ کروانا، احادیث پر جرح و تعدیل کروانا وغیرہ سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اول یہ کہ ان مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئرز کے اندر کئی طرح کی ٹیکنیکل خامیاں موجود ہیں۔

دوم یہ کہ آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی رہنے والی زندگی کا مدار اس دنیا کی زندگی کے اعمال پر منحصر ہے۔ اگر اس دنیا میں کوئی اچھا کام کیا تو اس کا بدلہ جنت کی صورت میں ملے گا اور اگر اس دنیا میں کوئی غلط کام کیا تو اس کا بدلہ دوزخ کی صورت میں ملے گا۔ لہٰذا جب عالمی سائنسی ماہرین واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر اس قابل نہیں ہیں کہ انسانی ذہانت کا مقابلہ کر سکیں اور ان میں کئی خامیاں ہیں تو پھر ان سے دینی رہنمائی لینا، فقہی مسائل پوچھنا، قرآن پاک کی تفسیر و ترجمہ کروانا، احادیث کی وضاحت کروانا ایسا ہے کہ کوئی اپنی آخرت کو خطرے میں ڈال کر اپنی ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کی زندگی کو داؤ پر لگا دے۔

سوم یہ کہ ان سافٹ ویئرز کی جواب دینے کی صلاحیت بالکل ناپائیدار ہے؛ کیونکہ ان میں ہیلوسینیشن پائی جاتی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ان سے پوچھے گئے سوالات کے جواب میں ان سافٹ ویئر سے مختلف جوابات آتے ہیں اور سوال کے اسلوب سے جواب بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اصولی طور پر جب سوال کسی ایک حقیقت سے متعلق ہے تو چاہے سوال کرنے کے اسلوب مختلف

ہوں، جواب اُسی حقیقت کو سامنے رکھ کر آنا چاہیے؛ مگر ایسا نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ سافٹ ویئرز تکنیکی طور پر نیچرل لینگویج پروسسنگ کے ذریعے کام کرتے ہیں۔ چہارم یہ کہ ان سافٹ ویئرز کے بتائے گئے جوابات کی نہ دنیاوی قوانین میں کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی ملک اور ادارہ ان کو قابلِ اعتبار سمجھتا ہے۔ مثلاً چیٹ جی پی ٹی سے کیا کوئی پوچھا گیا سوال کسی ملک کے سپریم کورٹ میں تسلیم کیا جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں! پھر کیا وجہ ہے یہ جوابات جو کہ اس دنیا کے کورٹس کچہریوں میں تو قابلِ قبول نہیں ہوں، وہ مختلف دارالافتاء اور مفتیانِ کرام کے یہاں قابلِ اعتبار ٹھہر جائیں؟

سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ کے اندر جب طلبائے کرام کو چیٹ جی پی ٹی یا دیگر مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر وایپلی کیشنز سکھائی جائیں گی اور طلبائے کرام سے روایتی طریقۂ تدریس وتعلیم سے ہٹا کر مصنوعی ذہانت کو استعمال کروایا جائے گا تو اس سے ان کے اندر علمی وتحقیقی استعداد نہ بن پائیں گی اور وہ نادانستگی میں علمی سرقہ کی باقاعدہ تربیت لے رہے ہوں گے۔ دیکھیے، مغربی ترقی یافتہ ممالک میں چیٹ جی پی ٹی یا دیگر مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر وایپلی کیشنز کے امتحانات میں استعمال کی سختی کے ساتھ پابندی عائد کی گئی ہے۔ اسکولوں، کالجز اور یونیورسٹیوں میں طلبائے کرام اگر چیٹ جی پی ٹی یا دیگر مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر وایپلی کیشنز کو استعمال کرکے کوئی مواد تیار کرتے ہیں تو اسے یکسر مسترد کردیا جاتا ہے؛ بلکہ اس عمل کو علمی سرقہ گردانا جاتا ہے۔ راقم کو سخت حیرانگی ہوئی جب ایک پاکستانی خاتون (جو کہ پی ایچ ڈی بھی ہیں اور ریسرچ کے موضوع پر ایک یوٹیوب چینل چلاتی ہیں)، وہ پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں جاکر مصنوعی ذہانت کی ترویج و اشاعت کررہی ہیں اور باقاعدہ طور پر یونیورسٹی کے طلبائے کرام کو مصنوعی ذہانت کے ذریعے تصنیف کرنے کا عمل سکھا رہی ہیں، اس کی مشق کروا رہی ہیں اور یہ بھی سکھا رہی ہیں کہ جب آپ مصنوعی ذہانت سے کچھ مواد تیار کریں تو عالمی سطح پر چونکہ ایسے مواد کو پکڑا جاسکتا ہے۔ لہٰذا کس طریقے سے آپ اس علمی سرقہ سے بچ سکتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ علمی سرقہ سکھانے کے لیے طلبہ اور یونیورسٹیوں سے بھاری فیس بھی وصول کررہی ہیں۔

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ چیٹ جی پی ٹی یا دیگر مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر وایپلی کیشنز کے استعمال سے سستی، کاہلی، اور کام چوری کو طلبائے کرام میں رواج دیا جائے گا اور اُن کے اندر علمی گہرائی اور صحیح تحقیق کرنے کا جذبہ ختم ہوتا چلا جائے گا اور وہ چیٹ جی پی ٹی یا دیگر مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر وایپلی کیشنز پر اپنی معلومات کا انحصار کرنے لگیں گے جو کہ من گھڑت، جھوٹی، اور حقائق

کے منافی معلومات فراہم کرتی ہیں۔

علوم الحدیث اور مصنوعی ذہانت

ایک نیا چیلنج اُمت مسلمہ کے سامنے سر اٹھائے کھڑا ہے اور وہ ہے مصنوعی ذہانت کا ''علوم الحدیث'' میں استعمال۔ آسان الفاظ میں مصنوعی ذہانت کے پروگرامز نعوذ باللہ من گھڑت احادیث بنا سکتے ہیں اور اس کے لیے پہلے ذخیرۂ احادیث سے ان کمپیوٹر پروگرامز کی ٹریننگ (تربیت) دی جائے گی اور جب یہ مصنوعی ذہانت کے پروگرامز احادیث کے اُسلوب تحریر کو سمجھ جائیں گے تو پھر اسی طرز کا کلام (احادیث) بنانے کی کوشش کریں گے۔ اس فتنے سے بچنے کا حل ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہے اور وہ ہے ''اسناد''، ''سینہ بہ سینہ علوم کی منتقلی''، اور ''متخصصین فی علوم الحدیث'' تیار کرنا۔ ماضی میں بھی باطل قوتوں کی جانب سے من گھڑت احادیث پھیلائی گئی تھیں اور اس کے تدارک کے لیے علمائے کرام نے اُصول مرتب فرمادیئے ہیں۔ ہمیں دراصل اپنے اصل سے جڑے رہنا ہے اور وہی طریقۂ کار علومِ دینیہ کو محفوظ و منتقل کرنے کے لیے استعمال کرنے ہیں جو کہ خیر القرون میں اختیار کیے گئے تھے۔ آسان الفاظ میں علوم الحدیث مثلاً جرح وتعدیل، رجال احادیث، ناسخ ومنسوخ کا علم، علم الحدیث کی انواع، اصول حدیث و دیگر علوم کو اُن کی اصل پر قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ نیز متخصصین فی علوم الحدیث کو نہایت سختی پر اکابرین کے طرز پر جمتے ہوئے علوم الحدیث کی خدمت کو جاری رکھنا ہوگا۔ علوم الحدیث کی خدمت کا کام علمائے کرام کے دائرۂ کار میں آتا ہے اور بڑے احسن طریقے سے وہ اپنی اس ذمہ داری کو ادا کر رہے ہیں، الحمدللہ۔ مسلمان سائنسدانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بھی اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے مصنوعی ذہانت کی کمزوریاں اور خامیاں علمائے کرام اور عوام الناس کے سامنے پیش کریں اور اپنی سائنسی تحقیق کو اُمتِ مسلمہ اور انسانیت کے نفع کے لیے استعمال کریں۔

مصنوعی ذہانت اور علمی سرقہ

ایک آخری مثال پیش کر کے ہم اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہیں۔ تصور کریں کہ زید ایک طالب علم ہے اور امریکہ کی کسی یونیورسٹی میں ماسٹرز آف انجینئرنگ میں داخلہ لیتا ہے۔ پہلے سال کے اختتام پر ایک مضمون کا امتحان ہوتا ہے۔ امتحان گاہ میں پرچہ حل کرتے ہوئے اس طالب علم کے پاس سے نگران عملہ نقل کا مواد برآمد کر لیتا ہے۔ دراصل امتحانی پرچہ میں ایک سوال کیا گیا تھا کہ فلاں انجینئرنگ کے مسئلے کے بارے میں تفصیل بیان کریں اور اس کے لیے ایک صفحہ کا خلاصہ لکھیں۔ زید،

بجائے اس کے کہ وہ یہ خلاصہ خود تحریر کرتا، وہ اپنے ساتھ نقل کا مواد لے کر گیا تھا جس میں یہ خلاصہ درج تھا۔ دوسری مثال بکر کی لیتے ہیں وہ ماسٹرز آف سائنس میں برطانیہ کی ایک یونیورسٹی میں داخلہ لیتا ہے۔ ماسٹرز کی ڈگری کے حصول کے لیے اسے ایک مقالہ تحریر کرنا تھا۔ وہ نوے صفحات کا نہایت ہی عمدہ مقالہ جمع کرواتا ہے جس میں نہایت عمدہ اسلوب اختیار کیا گیا ہوتا ہے، حتیٰ کہ سائنس کے اس موضوع پر دلائل اور حوالہ جات بھی لکھے ہوتے ہیں۔ مقالہ جانچنے کے لیے جب پیش ہوتا ہے تو وہ اس مقالہ سے متعلق جوابات دینے پر قادر نہیں ہوتا۔ ممتحن حضرات جب مزید تحقیق کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سارا مقالہ انٹرنیٹ پر موجود ویب سائٹ کو پیسے دے کر لکھوایا گیا ہے۔ تیسری مثال بیچلرز کے ایک طالب علم عثمان کی لیتے ہیں جو کہ آسٹریلیا میں فزکس کے شعبے میں بیچلر کرنے گیا تھا۔ امتحان گاہ میں اس کے پاس سے کیلکولیٹر برآمد ہوتا ہے جس کو استعمال کرنے کی صراحتاً ممانعت تھی۔ یہ تینوں مثالیں علمی سرقہ، بددیانتی اور خیانت کے زُمرے میں آتی ہیں اور یہ یونیورسٹیاں ان تینوں طالب علموں کی سخت پکڑ کرتی ہیں۔ بعض یونیورسٹیاں طالب علم کو پورے سال کے لیے امتحان دینے پر پابندی لگادیں گی (پہلی مثال)، بعض یونیورسٹیاں طالب علم کا یونیورسٹی سے ہی اخراج کردیں گی (دوسری مثال)، اور بعض یونیورسٹیاں طالب علم کو اُس پرچہ میں فیل کردیں گی (تیسری مثال)۔ قارئین اب آپ ان تینوں مثالوں میں کیلکولیٹر، ویب سائٹ، اور تحریری مواد کی جگہ ''مصنوعی ذہانت'' یا ''چیٹ جی پی ٹی'' کا لفظ استعمال کیجیے، نتیجہ وہی برآمد ہوگا کہ پوری دنیا کے سائنسدان، محققین، اساتذہ، اور اعلیٰ سائنسی تعلیم سے وابسطہ لوگ اسے علمی سرقہ ہی سمجھیں گے اور یونیورسٹیوں میں ان طلبہ کا وہی انجام ہوگا جو کہ کیلکولیٹر، ویب سائٹ، اور تحریری مواد استعمال کرنے پر ہوا۔ اس مثال سے قارئین کو یہ واضح ہوجانا چاہیے کہ مصنوعی ذہانت سے خلاصہ لکھوایا جائے، نہایت ہی اعلیٰ معیار کا سائنسی مقالہ لکھوایا جائے، یا پھر کیلکولیٹر کی طرح مشکل ریاضی کے مسائل حل کروائے جائیں، بہرصور تعلمی سرقہ ہی سمجھا جائے گا تاوقتیکہ ممتحن کی طرف سے واضح طور پر اس کی اجازت نہ دی گئی ہو۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ جو لوگ مصنوعی ذہانت کی عصری تعلیمی اداروں میں اور مدارسِ دینیہ میں ترویج واشاعت کررہے ہیں اُن کو کس قدر مغالطہ ہوگیا ہے اور عالمی سائنسی دنیا سے کس قدر نابلد واقع ہوئے ہیں۔

خلاصۂ مضمون اور چند گزارشات

ہم نے اس مضمون میں ٹھوس سائنسی حوالہ جات کے اقتباسات پیش کیے ہیں جن سے یہ امور

واضح ہوتے ہیں کہ:

* مشین (کمپیوٹر، روبوٹ، اوران پر چلنے والے سافٹ ویئر) انسان کے متبادل نہیں ہوسکتے۔
* مشین کو بطور مصنف سائنسی تحقیقی مقالوں میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔
* مصنف کے لیے ضروری ہے کہ قابلِ شناخت انسان ہو۔
* مصنف کے لیے ضروری ہے کہ اس نے سائنسی تحقیقی مقالے میں خاطر خواہ کام انجام دیا ہو۔
* مصنف شائع شدہ سائنسی تحقیقی مقالے میں شائع شدہ مواد کی مکمل ذمہ داری لیتا ہو؛ کیونکہ مصنوعی ذہانت ایسا مواد تیار کرسکتی ہے جو کہ مستند لگتا ہو اور اصل میں وہ غلط، نامکمل اور متعصب ہو، لہٰذا مصنّفین کو مصنوعی ذہانت کے استعمال میں خاص احتیاط برتنی چاہیے۔
* اگر مصنف مصنوعی ذہانت کو اور بالخصوص جنریٹیو مصنوعی ذہانت کو تحریر لکھنے میں استعمال کریں تو ان ٹیکنالوجیز کو صرف تحریر کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے؛ تاکہ اس تحریر کو پڑھنا آسان ہوجائے، نہ کہ تصنیف کے بنیادی کاموں کو ہی اس سے متبادل کے طور پر کروایا جائے مثلاً سائنسی وتدریسی مواد تحریر کروانا، طبی سفارشات، سائنسی نتائج اخذ کرنا، یا کلینکل تجاویز دینا شامل ہیں۔
* اگر مصنف مصنوعی ذہانت کو اور بالخصوص جنریٹیو مصنوعی ذہانت کو صرف تحریر کو واضح کرنے کے لیے استعمال کریں تو بعض پالیسی ساز اداروں کے مطابق مصنف کو واضح طور پر اپنے مقالوں میں یہ تحریر کرنا ہوگا کہ کس حد تک انہوں نے جنریٹیو مصنوعی ذہانت کو استعمال کیا اور شائع شدہ مقالوں میں یہ تحریر شامل ہوگی۔
* دنیا کے مستند اور بڑے سائنسی تحقیقی ادارے، یونیورسٹیاں، کمپیوٹر سائنس کی تدریسی وتحقیقی سوسائٹیز، معیاری سائنسی پبلشرز، معیاری کانفرنس، کمیٹی آن پبلی کیشن اتھکس یعنی کوپ، ورلڈ ایسوسی ایشن آف میڈیکل ایڈیٹرز (ویمی)، اور دیگر عالمی معیار کے معتبر اور مصنوعی ذہانت کے ماہرینِ فن، سائنسدان ومحققین بالاتفاق مصنوعی ذہانت کو بطور مصنف تسلیم نہیں کرتے اور مصنوعی ذہانت، جنریٹیو اے آئی، چیٹ باٹس، اور دیگر سافٹ ویئرز کے بطور مصنف تحقیقی مقالوں میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیتے اور اس کے لیے پالیسیاں مرتب اور نافذ کرچکے ہیں۔
* مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام، اساتذۂ کرام، اور منتظمین حضرات سے گزارش ہے کہ وہ مصنوعی

ذہانت کی ترویج واشاعت کرنے والوں کی باتوں سے کوئی اثر نہ لیں؛ بلکہ مدارسِ دینیہ کے روایتی طریقۂ تعلیم وتدریس، اُسلوبِ تدریس، اورقوائط وضوابطِ امتحانات پر سختی سے کاربند رہ کراپنی علمی وتحقیقی استعداد کومزید پروان چڑھائیں اور مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کوعلومِ دینیہ سے متعلق تصنیف وتالیف اور تحقیق کے کاموں میں ہرگز استعمال نہ کریں۔

❊ ❊ ❊

حواشی:

(1) Elseveir Policy on the use of AI and AI-assisted technologies in writing, Elsevier. Link: https://www.elsevier.com/about/policies-and-standards/the-use-of-generative-ai-and-ai-assisted-technologies-in-writing-for-elsevier

(2) COPE Council. COPE position - Authorship and AI - English. https://doi.org/10.24318/cCVRZBms

(3) WAME Recommendations on Chatbots, AI, and Generative AI. https://wame.org/page3.php?id=106

(4) Flanagin A, Bibbins-Domingo K, Berkwits M, Christiansen SL. Nonhuman "Authors" and Implications for the Integrity of Scientific Publication and Medical Knowledge. JAMA. 2023;329(8):637-639. doi:10.1001/jama.2023.1344

(5) Nature Authors Guidelines. Link: https://www.nature.com/nature/for-authors/initial-submission

(6) Tools such as ChatGPT threaten transparent science; here are our ground rules for their use. Nature. 2023;613(7945):612. doi:10.1038/d41586-023-00191-1

(7) International Conference on Machine Learning ICML, 2025. https://icml.cc/Conferences/2025/CallForPapers

(8) ACM Policy on Authorship. Link: https://www.acm.org/publications/policies/frequently-asked-questions

(9) ACM Criteria for Authorship. Link: https://www.acm.org/publications/policies/new-acm-policy-on-authorship

❊ ❊ ❊